اصولِ زندگی

وَعَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: ‹‹ اُنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْكُمْ، وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ، فَهُوَ اَجْدَرُ اَنْ لَا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ›› [متفق علیه]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص تم سے کم تر ہو اس کی طرف دیکھا کرو اور اس کی طرف مت دیکھو جو تم سے بڑھ کر ہے کیوں کہ وہ بہت لائق ہے اس سے کہ تم اپنے آپ پر اللہ کے انعام کو حقیر نہ جانو۔''

وضاحت: کم تر یعنی دنیاوی امور میں جب کہ دینی امور میں حکم اس کے برعکس ہے۔ آگے جو وجہ بیان کی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حاجت مند کو دیکھ کر اللہ کا شکر کریں گے کہ ہمیں حاجت مند نہیں بنایا اور اسے اپنے اوپر اللہ کا احسان جانیں گے۔

امثال القرآن

تمثیل کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کسی غیر واضح اور غیر محسوس حقیقت کو مخاطب کے فہم سے قریب تر لانے کے لیے کسی ایسی چیز سے تشبیہ دی جائے جو واضح اور محسوس ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھو کہ جو چیز عام نگاہوں سے اوجھل ہوتی ہے تمثیل کے ذریعے سے گویا اس کا مشاہدہ کرادیا جاتا ہے قرآن حکیم میں یہ طرز بیان بڑی کثرت کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے کیونکہ جن حقائق سے وہ آگاہ کرنا چاہتا ہے وہ قریب قریب سب کے سب غیر مرئی و غیر محسوس ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید کی تمثیلات کا مضمون بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس میں تدبر کرنا مطالب قرآن کو سمجھنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب ''امثال القرآن'' سے اقتباس پیش خدمت ہے۔

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ [العنکبوت:٤١]

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے ان کی مثال مکڑی سی ہے کہ اس نے ایک گھر بنایا اور کچھ شک نہیں کہ سب گھروں میں کمزور گھر مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے۔'' یہاں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ مشرکین تو مکڑی کی طرح کمزور و ناتواں ہیں ہی لیکن ان کے اولیاء و شرکاء ان سے بھی زیادہ بے بس اور مجبور محض ہیں۔ سو ان مشرکین کی ذاتی کمزوری و بے چارگی اور پھر اپنے سے بھی بے بس تر اولیاء سے مدد و قوت حاصل کرنے کی مثال، مکڑی اور اس کے گھر کی سی ہے۔ اس مثل کے تحت مشرکین کے انتہائی خسران کا ذکر ہے کہ اگرچہ وہ بے یار و مددگار ہیں لیکن وہ اپنی محرومی اور کمزوری کے نقطہ کمال پر اس وقت پہنچے جب کہ انہوں نے اپنے سے بھی زیادہ مجبور مخلوق کو اپنا والی و مددگار بنایا جس سے وہ سوائے ضعف و خسران کے کچھ نہیں پا سکتے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ مشرکین و کفار سبھی جانتے ہیں کہ تار عنکبوت کمزور ترین شے ہے پھر اس سے لوکانوا یعلمون (کاش یہ لوگ جانتے) کے ذریعے ان کی واقفیت و علم کی نفی کیوں کی گئی ہے؟ اس کا جواب بالکل واضح ہے، آیت کا مقصد ان کے اس علم کی نفی کرنا نہیں کہ مکڑی کا گھر سب سے زیادہ کمزور ہے بلکہ اس علم کی نفی کرتا ہے کہ خدائے واحد کے سوا معبود اور اولیاء ٹھہرائے جاتے ہیں ان کی قوت اور قدرت تار عنکبوت سے زیادہ نہیں ہے اگر وہ اس حقیقت کو جانتے ہوتے تو ایسا ہرگز نہ کرتے۔ وہ تو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ یہی اولیاء ان کو قوت و جبروت بخشیں گے۔ لیکن اس کی حقیقت خواب سے زیادہ نہیں ہے، اور نہ کبھی ثابت ہوئی۔

اس سے یہ حقیقت آشکار کی گئی ہے کہ جس نے اللہ کو چھوڑ کر شرکاء اور اولیاء کا دامن سربلندی و سرفرازی اور نصرت و امداد حاصل کرنے کے لیے پکڑا وہ ناکام رہا اور اس کی یہ عبادت مفید و منفعت بخش ہونے کی بجائے الٹی وبال جان بن جائے گی۔ یہ مثال جو اوپر بیان ہوئی شرک کے ابطال، مشرکین کے خسران اور ان کے انجام کی ہولناکی اور تباہ کاری کی سب سے زیادہ روشن اور بلیغ تمثیل ہے۔ [الفرقان، پارہ عم، ص:۵۲۷]

فہرست

تقویٰ اور سچائی

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ [الاحزاب:٥٣]

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔''

ہنسانے کے لیے جھوٹ

بہز بن حکیم اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((وَيْلٌ لِلَّذِيْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهُ، وَيْلٌ لَهُ)) [ابوداؤد:٤٩٩٠]

''ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو جھوٹ بولے لوگوں کو ہنسانے کے لیے ہلاکت ہے اس کے لیے ہلاکت ہے اس کے لیے (آخرت میں۔)''

نعمتوں کا شکر، اعمال صالحہ کی توفیق

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی تعلیم یوں دی:

﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِيْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَصْلِحْ لِيْ فِيْ ذُرِّيَّتِيْ ۚ اِنِّيْ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاِنِّيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [الاحقاف:١٥]

''اے میرے ربّ! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں جو تو نے مجھ پر فرمائیں اور میرے والدین پر اور مجھے یہ بھی توفیق دے کہ میں ایسے نیک کام کرتا رہوں جن سے تو راضی ہو جائے اور تو میرے لیے میری اولاد کو نیک بنا دے میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں تیرے تابعدار بندوں میں سے ایک عاجز بندہ ہوں۔''

علماء آگے بڑھ کر سدھاریں

اداریہ حافظ احمد شاکر

اسلام کے عدالتی نظام کی بنیاد شہادت پر ہے۔ضیاء دور میں اس موضوع پر کافی علمی کام بھی ہوا تھا اور اس کے عملی نفاذ کی کوشش بھی کی گئی تھی۔ نفاذ کہاں تک ہوا یا ہوا بھی کہ نہیں؟ اس پر ہماری معلومات نہیں۔ لیکن جہاں تک یاد پڑتا ہے شریعت کی روشنی میں علمائے کرام نے گواہ کے لیے جو شرائط رکھی ہیں ہمارے معاشرے کو ان شرائط پر پورا اترنے کے لیے بہت زیادہ علمی وعملی تربیت کی ضرورت ہے جس کی طرف حکمرانوں نے تو غور یا کوشش کیا کرنی تھی۔ ہمارے قانون اور شریعت کے علماء نے بھی اس قدر توجہ نہیں دی جتنی ضرورت تھی بلکہ شاید بالکل دی ہی نہیں جس بنا پر اسلام کا قانون شہادت عملی طور پر نافذ نہ ہوسکا۔ ایسے ہی کسی بھی مسئلہ کو...... چاہے وہ کتنا ہی اہم ہو......عوام اور مسلمانوں کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے یا کسی...... جرم کی...... سزا دینے کا اختیار کسی بھی صورت میں عوام کو نہیں سونپا گیا۔ حتی کہ حدود کے مسائل میں شک، گمان اور قرائن کا بھی اعتبار نہیں رکھا گیا بلکہ عینی شہادت یا اس کے نتائج کی برآمدگی تک کسی مسلمان پر حد کے عملی نفاذ کی شریعت نے اجازت بالکل نہیں دی۔ دوسری طرف شریعت جرم یا مجرم کی حوصلہ افزائی تو کجا اس کو گنجائش، ڈھیل یا رعایت بھی نہیں دیتی۔ شریعت مجرم کی سرکوبی اس لیے کرتی ہے کہ اس سے جرم کی سرکوبی ہوجاتی ہے۔ ایسے ہی اسلام کی طے شدہ اصولوں کے علاوہ اگر مزید کوئی شرطیں ہوں تو ان کی پابندی کرنے پر اسلامی حکومت غیر مسلموں کی جان ومال کی مکمل ذمہ دار ہوتی ہے۔ یہ بات ڈھکی چھپی تو کیا پورے عالم پر آشکار ہے کہ بے عمل سا بے عمل مسلمان بھی نبی ﷺ اور قرآن پاک کی اہانت برداشت نہیں کرسکتا۔ اخبارات کے ذریعہ...... کہ اور کسی ذریعۂ خبر T.V وغیرہ سے اب تک ہم محفوظ یا محروم ہیں...... گوجرہ فسادات کی جو تفصیلات سامنے آئی ہیں وہ بہت ہی افسوس ناک اور تشویش ناک ہیں کہ اقلیتوں کے بارے میں حکومت پاکستان کا کردار اب تک ایک مثال تھا اور ان شاءاللہ رہے گا۔ نہ جانے پاکستان کو کس کی نظر بدلگ گئی اور نہ جانے ایسے مواقع پر کون عاقبت نا اندیش قانون ہاتھ میں لے کر دین ووطن کی رسوائی کا باعث بن گئے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ماضی کے حوالہ سے امریکا بلکہ صلیب کا رویہ پاکستان کے ساتھ کبھی بھی منصفانہ نہیں رہا۔

اس سے قبل ایک سے زیادہ مرتبہ بعض ناسمجھ عیسائی بھائی شعوری...... کم...... یا غیر شعوری...... زیادہ...... طور پر نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی یا قرآنِ پاک کی بے حرمتی کا ارتکاب کرتے رہے ہیں تو کبھی کسی عیسائی حکومت نے ان کو قانون کے کٹہرے تک لے جانے کی تائید نہیں کی بلکہ یہ ان کو بچانے اور اگر نہ بچا سکیں تو اس کو بیرونِ ملک بھگا لے جانے کی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ کوئی مسلمان کسی بھی اللہ کے نبی یا آسمانی کتاب کی گستاخی کا حوصلہ ہی نہیں رکھتا۔ اگر کوئی کر بھی بیٹھے تو پاکستان کے قوانین اس کے لیے بھی وہی ہیں جو قرآنِ کریم اور نبی ﷺ کے گستاخ کے لیے ہیں۔ تاہم ہم گوجرہ کے واقعات پر اظہار تأسف کرتے ہیں، مجرموں کو قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کرتے ہیں...... دونوں طرف کے...... علماء سے درخواست کرتے ہیں کہ ایک پرامن شہر میں فساد کی پہلی دیا سلائی پھینکنے والے کی نشان دہی کر کے حکومت سے تعاون کرتے ہوئے اس کو مکمل سزا دینے کی سفارش ہی نہیں سزا دلوانے کی بھرپور کوشش کریں تاکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت شرعی ذمہ داری سے بھی عہدہ برآ ہو اور وطن عزیز امن وآشتی کا گہوارہ بھی بن جائے۔

کیا سپریم لاء قرآن وسنت ہی ہے؟

۳۱ جولائی ۲۰۰۹ء کو سپریم کورٹ نے (سابق) صدر اور (ر) جنرل مشرف کے اس فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا جس کی رو سے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سمیت بہت سے ججز کو کام کرنے سے روک دیا گیا تھا۔ سپریم کورٹ کے جج ۱۷ کی بجائے ۲۷ کردیئے گئے تھے۔ پاکستان کے تمام ججز کو نیا حلف لینے کی ہدایت کی گئی تھی، نئے انتخابات کا انعقاد کیا گیا تھا۔ جس کے تحت وزیر اعظم اور جناب صدر نے حلف اٹھایا تھا اور نئی پارلیمنٹ تشکیل ہوئی اور اسی قانون کے تحت پارلیمنٹ نے حلف اٹھایا تھا۔

سپریم کورٹ نے اس کو کالعدم قرار دے کر آئین پاکستان کو بلند وبالا کردیا، عوام کے دل جیت لیے۔ عدلیہ بحالی کی تحریک کا مقصد حاصل کرلیا اور سیاست

دانوں کے مطابق جمہوریت پر آمریت کے منڈلاتے سائے ہمیشہ کے لیے ختم کر دیئے۔ بہت جلد خوش ہو جانے والی ہماری قوم نے حسب عادت اس پر مٹھائیاں بانٹیں، بھنگڑے ڈالے، جلوس نکالے اور شہباز شریف کے کہنے کے مطابق شاید کسی نے کہیں نفل بھی پڑھ لیے ہوں گے۔ لیکن مجموعی طور پر خوشی کے بے ڈھنگے اظہار کی روائت کو قوم نے برقرار رکھا حتی کہ کالے کوٹوں والوں نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی جب کہ ہم یا ہم جیسے پس ماندہ فکر کے لوگ فہم و ذکاء کے حامل اس طبقے سے عیش میں یاد خدا کی توقع رکھتے تھے۔

لیکن اس فیصلے سے مستثنیٰ کیے گئے اقدامات پڑھ کر حیرانی بھی ہوئی اور قانون سے لاعلمی کا احساس بھی ہوا کہ ان مستثنیات کی گنجائش ہمارے قانون ہی میں تھی یا چیف جسٹس اور ان کے رفقاء نے اپنا حق منصفی استعمال کرتے ہوئے ۳ نومبر کے احکامات میں سے بعض احکام کو جوں کا توں رکھا ہے۔ لیکن ہمارے علم کے مطابق تو آئین پاکستان میں قرآن وسنت کو سپریم لا تسلیم کیا گیا ہے اور قرآن وسنت کی تعلیمات کا مکمل مظہر نبی ﷺ کا وہ ارشاد ہی کافی ہے جس میں آپ نے مخزومیہ خاتون کے ہاتھ کاٹنے پر اسامہ بن زید کی سفارش مسترد کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ **لو كانت فاطمة بنت محمد لقطعت يدها (او كما قال)** انسانوں کے بنائے ہوئے ایسے ہی کسی قانون کے بارے میں کسی دانشور کا قول ہے کہ قانون مکڑی کا جالا ہوتا ہے اور ہمارے ہاں پنجابی میں قانون کو موم کی ناک بھی کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

پرخلوص ملاقات:

گزشتہ مہینے کے دوسرے نصف کی اہم خبر زرداری نواز ملاقات تھی جسے ہم جیسے ''سادہ لوح عوام'' یوں اہمیت دیتے رہے کہ جیسے حزبِ اقتدار و حزبِ اختلاف کے لیڈروں کی ملاقات تھی، جب کہ جھرنوں سے چھن کر آنے والی خبروں نے یہ ثابت کیا کہ یہ دور فرینڈ شپ کا ہے جس میں حکمرانی بھی فرینڈلی ہوتی ہے اور اپوزیشن بھی فرینڈلی حتی کہ مجبوروں پر امریکا فائرنگ بھی فرینڈلی ہی کرتا ہے۔ خیر اس ملاقات کو دو بڑی سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کی ملاقات ہی کہا جانا بہتر ہے جو نہ بے مقصد ہوگی اور نہ ہی بلا ضرورت۔ یہ ان دو بڑی جماعتوں کے سربراہوں کی ملاقات تھی جو اپنے تئیں جمہوریت کی پاسدار اور خدمت گزار ہونے کی دعوے دار تو ہیں لیکن ان جماعتوں کی اندرونی جمہوریت کا حال یہ ہے کہ ان جماعتوں کا کوئی کارکن چاہے کتنا ہی مخلص ہو اور چاہے اس کی کتنی ہی خدمات ہوں وہ اپنے لیڈروں، ان کے خاندان اور ان کے ملائکۃ المقربین کے مقابلہ میں جماعت کے کسی مرکزی عہدے کے انتخاب کا سوچے! یہ ممکن ہی نہیں تاہم خوش آئند بات یہ ہے کہ خلاف معمول جناب میاں صاحب نے اس جمہوریت کو بھی جمہوریت تسلیم کر لیا ہے جو جناب زرداری کی آغوش میں ہے بلکہ انہوں نے اس نیک خواہش کا اظہار بھی کیا کہ ہمیں ''اتنی جلدی نہیں یہ حکومت پانچ سال پورے کرے'' تاہم محسوس کیا جا رہا ہے کہ ان دونوں میں سے کسی جماعت پر کوئی مشکل وقت آن پڑا یا آنے والا ہے جس کے لیے اس ''پرخلوص'' ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔ جس میں بہ ظاہر باہمی تعاون کے عہد و پیمان بقائے باہمی کے اس عالمی اصول پر ہی ہوئے ہوں گے کہ اپنا مفاد چھوڑ و نا اور دوسرے کے مفاد کو چھیڑ و نا کیوں کہ اس زریں اصول کے تحت نہ کبھی حق غالب آ سکتا ہے اور نہ کبھی باطل مغلوب ہو سکتا ہے۔ میاں صاحب کی نیک خواہش کے پرخلوص اظہار سے موجودہ حکومت کو اپنی پالیسیوں پر میاں صاحب کی معنوی تائید بھی حاصل ہوگئی اور عوام کالانعام میاں صاحب کے لانگ مارچ کی کامونکی ہی میں کامیاب ہو جانے کے جلتے بجھتے اشارے سے عوام تک کچھ نہ کچھ اسرار و رموز مترشح ہونے لگے ہیں۔ اس نواز زرداری ملاقات کے ایجنڈے کا اعلان تو نہیں ہوا تھا لیکن میاں صاحب نے بڑے اہتمام سے اس کے مشترکہ اعلامیہ کے اجراء کا اہتمام اس لیے کیا تا کہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ میاں صاحب سے محبت کرنے والے عوام ان سے تو یہ توقع بھی رکھتے تھے کہ میاں صاحب اپنے ان غیر ملکی...... امریکی و برطانوی...... مہمانوں سے ان ملاقاتوں کا اعلامیہ بھی عوام کے وسیع تر مفاد میں جاری کراتے یا کم از کم ان کے ایجنڈے ہی سے مطلع کر دیا کرتے، جو ملاقاتیں یہ غیر ملکی مہمان ان سے مستقبل کے متوقع حاکم کے طور پر کیا کرتے ہیں۔ ویسے آج تک اس طرح نہ کبھی ہوا ہے اور نہ ہی اس کا امکان ہے کیوں کہ رموزِ مملکت خسروان دانند

خیر بات شروع ہوئی تھی زرداری نواز ملاقات سے ہم بھولے بھالے عوام اچھی توقعات کا ایک وسیع کینوس ہمیشہ پھیلائے رکھتے ہیں اور اپنے اپنے لیڈر کے حق میں رطب اللسان رہتے ہیں جبکہ سیاسی جماعتوں کے قائدین ایک ہی مزاج رکھتے ہیں اگر مزاج کی ہم آہنگی نہ ہو تو اس کو آقا زیر تربیت (Under Training) رکھتے ہیں تا آنکہ مزاج درست نہ ہو جائیں اور مزاج درست ہو ہی جاتے ہیں یا اقتدار کے جھولے کے لیے مزاج درست کرنے ہی پڑتے ہیں چاہے وہ کتنا ہی آہن مزاج ہو۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ وطن عزیز اور اس کے عوام کو آزمائشوں سے محفوظ رکھے۔

تحقیق وتنقید

آخری قسط

نظریہ نور من نور اللہ حقیقت کے آئینے میں 4

مولانا خاور رشید بٹ

اوّلیت محمدیؐ:

﴿ وانا اوّل المسلمین ﴾

اولیت تخلیق محمدی پر سورۃ الانعام کی یہ آیت پیش کی جاتی ہے:

﴿ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [الانعام ٦: ١٦٣]

''اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔''

یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ سب سے پہلے مسلمان ہیں اور یہ اسی صورت میں مانا جاسکتا ہے جب ان کی پیدائش آدم علیہ السلام سے پہلے تسلیم کی جائے۔

تجزیہ: یہ قرآنِ مجید سے ناآشنائی کا نتیجہ ہے۔ کیوں کہ انبیاء کے اس جملہ کا مطلب ہوتا ہے، موجودہ انسانوں میں سب سے پہلا حکم خداوندی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے والا میں ہوں۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشادِ ربانی ہے:

﴿ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [الزمر ٣٩: ١١، ١٢]

''فرما دیں مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت اس طرح کروں کہ دین کو اسی کے لیے خالص کرنے والا ہوں۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ماننے والوں میں سے پہلا میں ہوں۔''

کس قدر وضاحت سے پتا چل رہا ہے کہ موجودہ انسانوں میں سے سب سے پہلا مسلمان وفرماں بردار بننے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ اگر ان لوگوں کا استدلال تسلیم کرلیا جائے تو پھر موسیٰ علیہ السلام کی تخلیق بھی قبل از آدم علیہ السلام ماننی پڑے گی۔ کیوں کہ انہوں نے بھی اسی طرح کے الفاظ اپنے لیے استعمال کیے تھے جیسا کہ قرآن اس پر ناطق ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر جب اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے کی خواہش ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں اس پہاڑ پر اپنی تجلی ڈالتا ہوں اگر یہ برداشت کرسکا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ چناں چہ تجلی ڈالی گئی تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ آگے فرمایا:

﴿ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [الاعراف ٧: ١٤٣]

''پھر جب اسے ہوش آیا تو کہنے لگا تو پاک ہے میں تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں ایمان لانے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔''

طائفہ مذکورہ کے لوگ آنحضرت ﷺ کو جنس بشر سے خارج کرنے کے لیے ایسی ایسی موضوع اور من گھڑت روایات پیش کرتے ہیں کہ (الامان والحفیظ)

بہرحال حقیقت بشری کے ردّ میں اور نورانیت کے اثبات میں وہ حسب ذیل روایات بھی پیش کرتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز سے پہلے نورِ محمدی کو پیدا فرمایا تھا۔

سب سے زیادہ مشہور ومعروف حدیث جابر ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں:

''میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! مجھے یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کیا چیز پیدا فرمائی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی ﷺ کا نور، اپنے نور سے پیدا فرمایا پھر وہ نور مشیت ایزدی کے مطابق جہاں چاہتا سیر کرتا رہا، اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتہ تھا نہ آسمان تھا، نہ زمین تھی نہ سورج تھا، نہ چاند تھا نہ جن تھا اور نہ انسان۔ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ مخلوقات کو پیدا کرے تو اس نور کو

چار حصوں میں تقسیم کیا۔ پہلے حصے سے قلم بنایا دوسرے سے لوح اور تیسرے سے عرش۔ پھر چوتھے حصے کو تقسیم کیا چار حصوں میں۔ تو پہلے حصے سے عرش اٹھانے والے فرشتے بنائے اور دوسرے سے کرسی اور تیسرے سے باقی فرشتے۔ پھر چوتھے کو مزید چار حصوں میں تقسیم کیا تو پہلے سے آسمان بنائے دوسرے سے زمین اور تیسرے سے جنت اور دوزخ۔'' [قسطلانی، المواهب اللدنيه: ١/ ٧١، بروايت امام عبدالرزاق]

تجزیہ: اس روایت کے متعلق احمد بن محمد القسطلانی (م ۹۲۳ھ) نے لکھا ہے کہ اس روایت کو عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت کیا ہے۔[المواهب اللدنيه، ج:١، ص:٣٦]

یہ روایت طائفہ مذکورہ آج تک امام عبدالرزاق کی کتاب المصنفین یا ان کی تفسیر سے نہ دکھا سکا۔ لیکن ۲۰۰۵ء میں چالیس احادیث کا مجموعہ اپنی طرف سے گھڑ کر الجزء المفقود من الجزء الاوّل من المصنف کے نام سے لاہور والوں نے شائع کیا، جسے مصنف عبدالرزاق کے پہلے حصے کا گم شدہ حصہ قرار دیا گیا ہے اور اس میں حدیث نور ہونے کی وجہ سے یہ طائفہ شادیانے بجا رہا ہے۔

اس کتاب کا مخطوطہ انہیں افغانستان سے دریافت ہوا حالاں کہ مخطوطے کو صحیح تسلیم کرنے کی کئی شرائط ہیں جو اس خود ساختہ مخطوطہ میں مفقود ہیں۔

ان شرائط پر جماعت اہل حدیث کے نامور محقق حافظ زبیر علی زئی نے اپنے رسالہ الحدیث ۵ شعبان ۱۴۲۵ھ بمطابق ۲۰۰۴ء میں خوب روشنی ڈالی ہے۔ ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

① ......مخطوطے کا ناسخ و کاتب ثقہ وصدوق ہو۔

② ......ناسخ مخطوطہ سے صاحب کتاب تک سند صحیح ہو۔

③ ......مخطوطہ کا محل وقوع، خط، تاریخ، نسخ، پہچاننا اور قدامت کی تحقیق ضروری ہے، جو نسخہ پرانا اور قلیل الغلط ہو اسے بعد والے تمام نسخوں پر فوقیت حاصل ہے۔

④ ......نسخہ پر علمائے کرام اور ائمہ دین کے سماعات ہوں۔

فائدہ: سماع کی جمع سماعات ہے۔ جب ایک قلمی نسخہ علمائے کرام خود پڑھتے یا انہیں سنایا جاتا تو وہ اس پر لکھ دیتے تھے کہ یہ فلاں فلاں نے پڑھا، یا سنا ہے۔ اسے سماعات کہتے ہیں۔

⑤ ......نسخہ علماء کے درمیان مشہور ہو۔ آج اگر کوئی شخص افغانستان، قزاقستان، گرجستان وغیرہ کے کسی کونے کھدرے سے خود ساختہ نسخہ پیش کر کے شور مچانا شروع کر دے کہ مخطوطہ مل گیا ہے تو علمی میدان میں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

⑥ ......اس بات کا ثبوت ہو کہ یہ مخطوطہ واقعی اسی ناسخ نے لکھا ہے۔

⑦ ......جس مصنف کا وہ مخطوطہ ہے اس سے لے کر رسول اللہ ﷺ یا صاحب قول تک سند صحیح و حسن ہو۔

⑧ ......علمائے کرام اور محدثین عظام نے نسخہ پر طعن و جرح نہ کر رکھی ہو۔

⑨ ...... اس کتاب کی عبارات وروایات کا ان کتابوں سے مقارنہ کیا جائے جن میں اس کتاب سے روایت یا نقل موجود ہے۔

⑩ ......جس کتاب کا مخطوطہ ہے اس کتاب کا مصنف بذاتِ خود ثقہ وصدوق ہو۔

علمائے ربانی نے طائفہ مذکورہ کے لوگوں کو علمی میدان میں آنے کی دعوت دی اور اسے درست وصحیح کتاب ثابت کرنے کا چیلنج دیا جو انگور کھٹے سمجھ کر پیچھے ہٹ گئے ہیں۔

بہرحال اس کتاب کے من گھڑت ہونے کے دلائل میں یہ باتیں ہیں کہ اس کا ناسخ اسحاق بن عبدالرحمٰن السلیمانی ہے جو کہ دسویں ہجری کا آدمی ہے۔ یہ کون ہے اس کی علمی حیثیت کیا ہے، سب کچھ پردہ خفا میں ہے۔ نیز اس ناسخ سے لے کر امام عبدالرزاق تک کی سند بھی مفقود ہے۔

اور خود اس پر مقدمہ لکھنے والوں نے تسلیم کیا ہے اس مخطوطہ پر علماء کے سماعات نہیں ہیں۔ [ص:۱۴، الجزء المفقود]

رسم الخط کے ماہرین نے اس مخطوطہ کا خط دیکھ کر بتایا ہے کہ یہ دسویں ہجری کا نہیں بلکہ موجودہ زمانے کے کسی آدمی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

نیز اس کتاب میں جو حدیث نور ہے اس کے متن اور پہلی کتابوں کے بیان کردہ متن میں بھی فرق ہے۔ [تفصیل کے لیے دیکھیں جعلی جزء کی کہانی اور علمائے ربانی، مرتب حافظ ندیم ظہیر، ناشر مکتبہ اسلامیہ لاہور]

ثابت ہوا حدیث نور من گھڑت ہے اور اسے صحیح ثابت کرنے کے لیے جو کتاب مارکیٹ میں آئی ہے وہ بھی جعلی ہے۔

دوسری حدیث: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم نے فرمایا:

کنت نوراً بین یدی ربی قبل خلق آدم باربعة عشر الف عام۔ [قسطلانی المواهب اللدنیه، ج:۱، ص:۷٤]

''کہ میں اپنے ربّ کے سامنے آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار سال پہلے نور کی شکل میں تھا۔''

جواب: قسطلانی اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں:

احکام ابن القطان میں ہے جیسا کہ ابن مرزوق نے ذکر کیا ہے، علی بن حسین سے وہ اپنے والد حسینؓ سے وہ اس کے دادا علیؓ سے بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ الخ [المواہب اللدنیہ، ج:۱،ص:۳۹]

امام قسطلانی کی اس عبارت سے پتا چلتا ہے کہ یہ روایت ابن القطان کی کتاب جس کا نام ہے بیان الوہم والا بہام الواقعین فی کتاب الاحکام کے حوالے سے ابن مرزوق نے بیان کی۔ لیکن اس میں یہ روایت نہیں مل سکی اور نہ ہی ابن مرزوق نے اس کی سند بیان کی ہے۔ علامہ عجلونی نے اسے کسی العلقمی کے حوالے سے علی بن الحسین عن ابیہ عن جدہ کی سند سے نقل کیا ہے۔ [کشف الخفاء، ج:۲،ص:۱۳۰، ح:۲۰۰۷]

عجلونی، علقمی، ابن مرزوق اور ابن القطان الفاسی ان تمام سے لے کر علی بن الحسین رحمہ اللہ تک اس روایت کی کوئی سند کہیں موجود نہیں۔ لہٰذا یہ روایت موضوع اور من گھڑت ہے۔

[ماخوذ از رسالہ الحدیث حضرو، شمارہ نمبر:۳۸]

تیسری حدیث: حدیث جبریل علیہ السلام

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ جبرائیل ذرا یہ تو بتاؤ کہ تمہاری عمر کتنی ہے۔ جبرائیل نے عرض کیا: آقا میری عمر کا تو مجھے صحیح اندازہ نہیں لیکن اتنا یاد ہے کہ (ساری کائنات سے پیدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حجاباتِ عظمت میں سے) چوتھے پردہ عظمت میں ایک (نورانی) ستارہ چمکا کرتا تھا اور وہ ستارہ ستر ہزار سال کے بعد ایک مرتبہ چمکتا تھا۔ آقا میں نے اپنی زندگی میں وہ نورانی ستارہ بہتر ہزار مرتبہ دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: جبرائیل مجھے اپنے ربّ ذوالجلال کی عزت کی قسم وہ (چمکنے والا ستارہ) میں ہی ہوں۔ [حلبی، السیرۃ الحلبیہ، ج:۱،ص:۳۰]

جواب: امام حلبی ہے اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں نے یہ روایت کتاب التشریفات فی الخصائص والمعجزات میں دیکھی ہے جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں۔ الخ [السیرۃ الحلبیہ، ج:۱،ص:۳۰]

جس کتاب میں یہ روایت ہے اس کا مصنف ہی نامعلوم ہے۔ پتا نہیں کون ہے کون نہیں۔ لہٰذا یہ روایت بھی من گھڑت ثابت ہوتی ہے۔

یہ مشہور مشہور روایات کا حال ہے۔ ان کے علاوہ جو دیگر روایات پیش کی جاتی ہیں۔ ان کا اندازہ آپ خود لگا سکتے ہیں۔

بہرکیف یہ تمام من گھڑت اور جعلی روایات اس صحیح حدیث کے بھی برخلاف ہیں جس میں نبی معظم نے وضاحت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا فرمایا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

اوّل شیء خلق الله تعالٰی القلم فأمره فكتب كل شیء يكون ......

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم پیدا فرمایا پھر اسے حکم دیا تو اس نے ہر ہونے والی چیز کو لکھ لیا۔ [السنہ لابن ابی عاصما:۱۱۲، سندہ صحیح، الاوائل لہ:۳، المعجم الکبیر:۱۲/ ۶۸، ح: ۱۲۵۰۰، مسند ابی یعلیٰ:۴ل ۲۱۷، ح: ۲۳۲۹، الاسماء والصفات للبیہقی، ص:۳۷۸ بحوالہ الحدیث شمارہ نمبر:۳۸]

تو اس صحیح حدیث کے مقابلہ میں ان جھوٹی روایات کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

علمائے بریلویہ کا اقرار:

دہریت کے مارے لوگ وجود باری تعالیٰ کی نفی کرتے ہوئے کہیں نہ کہیں جا کر تسلیم کر لیتے ہیں کہ نظام دنیا چلانے والا کوئی ہے۔ بالکل اسی طرح یہ طائفہ بھی باوجود اتنی کوششوں کے سید ولد آدم نبی علیہ السلام کو بشر ماننے پر مجبور ہو گیا، مثلاً:

① ......اس طائفہ کے امام مولانا احمد رضا خاں بریلوی صاحب لکھتے

ہیں: اور جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے وہ کافر ہے۔[فتاویٰ رضویہ، ص:۶۷،ج:۷،ط:رضویہ کراچی بحوالہ تبیان القرآن،ج:۳،ص:۱۳۹]

بلکہ اپنی کتاب فتاویٰ افریقا میں تو رسولِ اکرم ﷺ کا خمیر مٹی سے تسلیم کیا ہے۔ رقم طراز ہیں:

خطیب نے المتفق والمفترق میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: میں اور ابوبکر وعمر ایک مٹی سے بنے اسی میں دفن ہوں گے۔[فتاویٰ افریقا،ص:۹۰،نوری کتب خانہ لاہور]

دیکھیں کس قدر واضح الفاظ میں رسولِ اکرم ﷺ کی حقیقت کو بشریت مانا جا رہا ہے۔

ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما مٹی سے بننے کی وجہ سے حقیقی بشر کہلائیں اور اسی مٹی سے محمد کریم ﷺ بنیں تو ان کی بشریت کا انکار کر دیا جائے اور نورانیت کو حقیقت تسلیم کیا جائے۔ ﴿ تلك اذا قسمة ضيزىٰ ﴾

یہ بات یاد رہے کہ اعلیٰ حضرت بریلوی کے متعلق یہ کہا جا چکا ہے کہ ان سے ایک شوشہ کی بھی غلطی نہیں ہوئی۔

② ...... مشہور و معروف مفتی اور اس طائفہ کے قلم کار احمد یار خاں نعیمی گجراتی لکھتے ہیں:

نبی جنس بشر میں آتے ہیں اور انسان ہی ہوتے ہیں۔

[جاء الحق،ص:۱۸۰،ط:نعیمی کتب خانہ گجرات]

③ ...... اس عقیدہ کے حاملین کی بنیادی کتاب بہار شریعت میں محمد امجد علی صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

عقیدہ: نبی اس بشر کو کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے وحی بھیجی ہو اور رسول بشر ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ملائکہ میں بھی رسول ہیں۔

عقیدہ: انبیاء سب بشر تھے اور مرد، نہ کوئی جن نبی ہوا نہ عورت۔

[بہار شریعت،ج:۱،ص:۷،دوسرا نسخہ،ص:۹،عقائد متعلقہ نبوت]

یہ بات یاد رہے اس کے ابتدائی چھ حصے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی نے حرفاً حرفاً سنے اور تحسین کی۔[مقدمہ بہار شریعت،ص:۷]

④ ...... مولانا نعیم الدین مراد آبادی محشی کنز الایمان (ترجمہ قرآن از اعلیٰ حضرت صاحب) بھی لکھنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ (ﷺ) کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے۔

[کنز الایمان،ص:۸۵۸،تحت آیت:۶،سورت فصلت:۴۱]

⑤ ...... دورِ حاضر کے بریلوی شیخ الحدیث مولانا غلام رسول سعیدی صاحب اپنی تفسیر تبیان القرآن میں رقم طراز ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ آپ انسان کامل اور سید البشر ہیں کائنات میں سب سے زیادہ حسین ہیں۔ آپ نورِ ہدایت ہیں اور نور حسی سے بھی آپ کو حظ وافر ملا ہے جو آپ کو اپنی مثل بشر کہتے ہیں وہ بدعقیدگی کا شکار ہیں (حالاں کہ قرآن میں یہی الفاظ ہیں ﴿ قل انما انا بشر مثلكم يوحى الى ﴾ الخ) اور جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کی حقیقت نور حسی ہے اور صورت بشر ہے یا آپ لباس بشری میں جلوہ گر ہوئے اور حقیقت اس سے ماوراء ہے۔ سو دلائل شرعیہ کی روشنی میں اس قول کا برحق ہونا ہم پر واضح نہیں ہو سکا۔[ج:۳،ص:۱۳۹،ط:فرید بک سٹال لاہور]

کیسے کھلے اور واضح الفاظ میں اقرار کیا جا رہا ہے کہ دلائل شرعیہ کی روشنی میں رسولِ اکرم ﷺ کی حقیقت نورانیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ سید البشر اور انسان ثابت ہوتے ہیں۔

⑥ ...... جناب مفتی خان محمد قادری صاحب بریلوی مصنف کتب کثیرہ نائب امیر عالمی دعوت اسلامیہ، جماعت اہل حدیث کے معروف مفتی و مناظر اور ہمارے استاد الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ کے مضمون (کیا سگ مدینہ کہلانا درست ہے؟) کا جواب لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

اس سے کسی مسلمان کو اختلاف نہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام بشر اور انسان ہیں۔ ان میں بشریت کے تمام تقاضے اور صفات موجود ہیں مگر ان کی بشریت اتنی اعلیٰ و اکمل کہ اس پر تمام نوری مخلوق فدا و قربان۔

[کیا سگ مدینہ کہلانا جائز ہے؟،ص:۱۳،ط:عالمی دعوت اسلامیہ]

ان کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام مسلمان بشریت انبیاء پر متفق ہیں اور یہ غیر اختلافی مسئلہ ہے۔ خواہ مخواہ اسے مختلف فیہ مسئلہ بنا دیا گیا ہے۔

ان کے آخری جملہ پر غور فرمائیں:

مگر ان کی بشریت اتنی اعلیٰ و اکمل کہ اس پر تمام نوری مخلوق فدا و قربان۔

اگر نبی علیہ السلام کی حقیقت نوری ہوتی تو ہرگز یہ جملہ نہ کہا جاتا۔

بصیرت

مہکتے پھول

شیخ عمر فاروق

قرآنِ حکیم کی دائمی اور ابدی تعلیم:

﴿ وَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ص وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ص وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴾ [الشوریٰ ٤٢: ٣٨]

''(اہل ایمان وہ ہیں) جو (زندگی کے ہر معاملے میں) اپنے ربّ کا حکم مانتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں، ہم نے جو کچھ بھی رزق انہیں دیا اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔''

(ا)......زندگی کے ہر معاملے میں سنت نبوی ﷺ کے مطابق اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے دنیا اور آخرت سنورتی ہے۔

(ب)......نماز قائم کرنے سے معاشرتی زندگی نظم وضبط کے تحت آجاتی ہے۔ امیر غریب، شاہ وگدا جب ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں تو نفرتیں ختم ہوتی ہیں اور محبتیں بڑھتی ہیں، اخلاقی مضبوطی اور قوت پیدا ہوتی ہے۔

(ج)......سیاسی امور ہوں یا اہم ملکی معاملات وہ باہم مشورے سے طے پاتے ہیں۔ ''مجلس شوریٰ'' اہل علم، اہل رائے پر مشتمل ہوتی ہے جو اخلاص وتقویٰ اور فہم وفراست سے آراستہ ہوتے ہیں۔ اراکین حکومت کے انتخاب میں بھی ''مجلس شوریٰ'' کے افراد فیصلہ کرتے ہیں۔ موجودہ جمہوریت نے جو واہی تباہی مچائی ہے اُس سے کہیں بہتر اور عمدہ آزاد صاف شفاف شورائی نظام ہے، جس میں دنگا فساد ہے، نہ لڑائی جھگڑے، نہ فراڈ اور گھپلے اور نہ ہی زور وزر کا استعمال، کاش کہ اہل پاکستان اِس کو اپناتے تو ہماری زبوں حالی نہ ہوتی جسے ہم دیکھ رہے ہیں۔

(د)...... اِنفاق فی سبیل اللہ اِسلام کی اہم بنیادی تعلیم ہے جس سے معاشرے کا معاشی ڈھانچہ مضبوط ہوجاتا ہے۔ دولت صرف امیروں کے پاس ہی جمع ہوکر نہیں رہ جاتی بلکہ اُس سے غربا ومساکین، بیواؤں اور یتیم بھی فائدہ اٹھاتے ہیں۔

﴿ كَیْ لَا یَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْكُمْ ﴾ [الحشر ٥٩: ٧]

(دولت کی تقسیم عام ہوجائے) تاکہ تمہارے مال داروں کے درمیان ہی اُس کی گردش سمٹ کر نہ رہ جائے۔''

جب کوئی قوم سیاسی، معاشی، اخلاقی اور روحانی لحاظ سے مضبوط اور توانا ہوجاتی ہے تو دشمن اُس کی طرف میلی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔

زندگی کے بلند مقاصد:

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ (اپنی دعاؤں میں سے ایک دعا میں یوں) فرمایا کرتے تھے:

" اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ الْهُدٰی وَالتُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی۔" [رواه مسلم، رياض الصالحين، باب فى التقوىٰ]

''اے اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں ہدایت کا، پرہیزگاری کا، پاک دامنی کا اور استغناء کا۔''

اِس دعا کی طلب ہر بندہ مومن کا زادِ سفر اور توشہ آخرت ہے۔

(ا)......''ھدایت'' جس کی تمنا ہر نماز کی ہر رکعت میں کی جاتی ہے۔

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴾ [الفاتحه]

''(اے اللہ!) ہمیں صراطِ مستقیم پر چلا یہ رہبری اور ہدایت دین اسلام کی رہنمائی اور اس پر استقامت ہے۔''

②......اَلتُّقٰی (پرہیزگاری)''اَلتَّـقْوٰی، اَلتُّقٰی''، ضمیر کے اُس احساس کا نام ہے، جس کی بنا پر ہر کام اللہ کے حکم کے مطابق کرنے کی شدید رغبت اور اُس کی مخالفت سے شدید نفرت پیدا ہو۔

اور تقویٰ کی صفت جذبہ احسان سے نشوونما پاتی ہے جیسا کہ حدیث مبارک میں آتا ہے:

" اَنْ تَـعْبُـدَ الـلّٰـهَ كَـاَنَّكَ تَـرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ ـ"

''تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا کہ تم اُسے دیکھ رہے ہو (یا پھر یہ خیال کرو) کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔''

اور عبادت کا مفہوم صرف صوم وصلوٰۃ تک محدود نہیں ہے بلکہ زندگی میں اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی پابندی لازم ہے۔ اور احکامِ الٰہی کی اطاعت سنت نبوی کے مطابق ہوتی ہے۔

③......''العفاف'' پارسائی اور پاک دامنی، تقویٰ اور احسان کا لازمی ثمرہ پارسائی ہے اور یہ عزیمت وہمت کی بلند راہ ہے جس کی بہترین مثال قرآنِ حکیم میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی عفت وپارسائی ہے۔ پھر سیرت طیبہ میں بھی یہ شان پوری طرح جھلکتی ہے، آپ ﷺ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہاں ہر سو برائی اور بے حیائی کی آندھیاں ہی نہیں جھکڑ چل رہے تھے۔ آپ ﷺ کا دامن حیا ہر برائی اور بے حیائی سے الگ تھلگ رہا۔

④......''الغناء'' تو انگری، قناعت پسندی۔ اِس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے در کے سوا ہر در سے بے نیاز ہو جانا اور قناعت پسندی کی راہ اختیار کرنا اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ تھوڑے مال پر بھی صبر وشکر سے زندگی گزارنا۔ یہ وہ حالت ہے جس سے بندہ مومن کو زندگی کا سکون اور سرور نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر جس قدر ایمان ویقین قوی ہوتا ہے اُسی قدر ''قناعت'' کی خوشبو پیدا ہوتی ہے۔ قانع شخص ہمیشہ سیر چشم صابر وشاکر رہتا ہے، وہ روکھی سوکھی کھا کر بھی اپنی ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں خوش وخرم رہتا ہے، صحت اُس کے لیے سب سے بڑی دولت اور اُس کے بیوی بچے اُس کا سب سے بڑا سرمایہ ہوتے ہیں۔ فارسی زبان کا محاورہ ہے۔

''قَنَاعَتْ تَوَنگَرْ کُنَدْ مَرْدْرَا۔''

''قناعت انسان کو (اللہ تعالیٰ کے سوا) ہر چیز سے بے نیاز کر دیتی ہے۔''

سعدی شیرازی لکھتے ہیں کہ ملک مغرب کا ایک فقیر حلب (علاقہ شام) کے بازاروں میں صدا لگا رہا تھا:

''خداوندانِ نعمت! اگر شمارا انصاف بودی ومارا قناعت، رسم سوال از جہاں برخاستی۔''

دولت مندو! اگر تم میں انصاف ہوتا (تم اپنی دولت جمع رکھنے کی بجائے غربا ومساکین میں تقسیم کر ڈالتے) اور ہم میں قناعت ہوتی تو سوال کا دستور دنیا سے اٹھ جاتا۔ بقول شخصے ؎

قناعت ہے وہ بے بہا کیمیا
چھوا اُس نے جس کو بھی سونا ہوا

پھر رسول اللہ ﷺ قناعت کا درس اس طرح دیتے ہیں:

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خوش نصیب ہے وہ جو اِسلام لایا اور ضرورت بھر سامان رکھتا ہے اور جو کچھ اللہ نے اُسے دیا ہے اُس پر وہ قانع ہے۔'' [مسلم، ریاض الصالحین، باب القناعۃ]

ملک پاکستان کے حکمران کشکول اٹھائے دنیا بھر سے بھیک مانگتے رہے۔ نتیجتاً ملک اربوں ڈالر کا مقروض ہو گیا، اس لیے کہ اُسے بلا سوچے سمجھے خرچ کرتے رہے۔ اب حال یہ ہے کہ یہاں کا ہر نومولود بچہ قرض تلے دبا ہوا ہے، اور یہ قرض روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے اور اُس پر سود در سود کا مزید اضافہ ہو رہا ہے۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار**

گناہ سے نورِ بصیرت بجھ جاتا ہے:

اَلْاِثْــــمُ گناہ، اس کی جمع الاثام آتی ہے۔ وہ اعمال وافعال جو ثواب سے روکنے اور پیچھے رکھنے والے ہوں۔ [مفردات القرآن]

ذَنْبٌ گناہ، اس کی جمع ذنوب آتی ہے۔ ذَنْبٌ کے اصل معنی کسی

چیز کی دم پکڑنے کے ہیں۔ کہا جاتا ہے ذَنَبْتُہٗ میں نے اُس کی دم پر مارا، دم کے اعتبار سے ہر اُس فعل کو جس کا انجام برا ہوا اُسے ذَنْبٌ کہا جاتا ہے۔ اسی بنا پر انجام کے اعتبار سے گناہ کو تَبِعَةٌ بھی کہا جاتا ہے۔

قرآنِ حکیم میں آتا ہے:

﴿ وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ص وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ قف ص وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾

[آلِ عمران۳: ۱۳۵]

''(متقین اور محسنین کا حال تو یہ ہے) اگر کبھی اُن سے کوئی ناشائستہ کام ہو جائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کا ذکر (ان کی زبانوں پر جاری ہو جاتا ہے) اور اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ فی الواقع اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخش سکتا ہے؟ اور وہ لوگ باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔'' [مفردات القرآن]

''اِثْمٌ'' گناہ، ناجائز عمل، قمار، شراب۔ قرآنِ حکیم میں آتا ہے:

﴿ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

[الاعراف۷: ۳۳]

''(اے نبی ﷺ) اِن لوگوں سے کہیے کہ میرے ربّ نے جو چیزیں حرام کی ہیں وہ تو یہ ہیں: بے حیائی کے کام......خواہ کھلے ہوں یا چھپے......اور (اثم) گناہ اور حق کے خلاف زیادتی (یعنی ناحق کسی پر ظلم کرنے کو) اور یہ کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اُس نے کوئی سند نہیں اتاری (اس کی کوئی دلیل اُس کے کلام میں نہ ملے گی) اور اِس بات کو بھی (منع فرمایا) کہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تم کو علم تک نہیں (گویا کہ یہ تمام حرام کردہ باتیں ''اثم'' ہیں۔)''

مولانا محمد حنیف ندوی ''اثم'' پر اِس طرح گفتگو کرتے ہیں:

''اسلام چوں کہ اُن اقدارِ حیات کو اپنے دامن دعوت میں سمیٹے ہوئے ہے جس سے انسان کی روحانی، اخلاقی اور اجتماعی صلاحیتوں کی پرورش ہوتی ہے۔ اس لیے گناہ (اثم) کا اطلاق ہر اُس اقدام پر ہوگا جو اس سلسلے میں رکاوٹ کا باعث ثابت ہو یعنی ہر وہ فعل ''اثم'' اور گناہ متصور ہوگا جس سے قلب و باطن کے لطائف مجروح ہوں، فکر و تدبر کے داعیے مضمحل ہوں، اخلاق و عادات میں بگاڑ پیدا ہو اور اُس اِجتماعی تصورات کو نقصان پہنچے جو انسانیت کے ارتقا کے لیے بے حد ضروری ہیں۔'' [لسان القرآن، ج:۱]

امام ابن قیم جوزی رحمہ اللہ اِس پر اِس طرح روشنی ڈالتے ہیں:

''گناہ کا ایک سخت عذاب و نقصان یہ ہے کہ یہ نورِ بصیرت کو بجھا دیتا ہے اور علم کی راہوں کو مسدود کر دیتا ہے جبکہ موادِ ہدایت کو روک دیتا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ جب امام مالک رحمہ اللہ کی خدمت میں باریاب ہوئے تو امام صاحب نے شافعی رحمہ اللہ کے چہرہ سے آثارِ سعادت کو دیکھ کر فرمایا:

"اِنِّيْ اَرَى اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ اَلْقَى عَلَيْكَ نُوْرًا، فَلَا تُطْفِئْهُ بِظُلْمَةِ الْمَعْصِيَةِ ۔"

''یعنی میں دیکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے نورِ بصیرت سے نوازا ہے دیکھنا کہیں اِسے گناہ کی ظلمت سے بجھا نہ دینا۔''

مطلب یہ ہے کہ نورِ ایمان درجہ بدرجہ کمزور ہوتا جاتا ہے اور ظلمت معصیت ترقی کرتے کرتے دل کو شب تاریک کی طرح سیاہ بنا دیتی ہے۔ تب ان معصیتوں میں مبتلا شخص بہت سی ہلاکتوں کا شکار ہو جاتا ہے اور اُس کی مثال اُس اندھے کی طرح ہے جو رات کو کسی ہلاکت خیز راستہ پر چل پڑتا ہے اور جو شخص ایسی ہلاکت سے محفوظ ہے (یعنی جس نے اپنے دامن کو گناہوں سے آلودہ نہیں ہونے دیا) اس کی حالت کا اُس شخص کی حالت سے مقابلہ کرنا چاہیے جو اس ہلاکت میں مبتلا ہے۔ یہ ہلاکت آہستہ آہستہ قلب سے تجاوز کر کے گناہ کرنے والے شخص کے اعضا و جوارح پر ظاہر ہونے لگتی ہے۔ چناں چہ جس قدر وہ زیادہ اور قوی

ہوتی ہے اُسی قدر چہرہ پر اُس کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور چوں کہ وہ موت کے وقت پورے طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے برزخ میں بھی اُس کا ظہور ہوتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''یہ قبریں اہلِ قبور پر ظلمت سے بھری گئی ہیں اور میری دعا سے اللہ تعالیٰ انہیں روشن کر دے گا'' (ظاہر ہے کہ اہل ایمان ہی کے لیے روشنی کا سروسامان ہوگا۔) [احمد، مسلم]

یہی ''ظلمت'' گناہ گاروں کے چہروں پر روزِ قیامت نمایاں ہوگی جسے سب لوگ دیکھیں گے۔

ہائے افسوس! وہ ایسا بدترین عذاب ہوگا کہ دنیا کی تمام فانی لذتیں مل کر بھی اُس کا ہم پلہ نہیں ہوسکیں گی۔ ایک سمجھ دار اور ذی ہوش انسان کیوں کر ایسی ناپائیدار لذت میں پڑ کر ابدی عذاب کو اختیار کر سکتا ہے جس کا زمانہ خواب وخیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔

[الجواب الكافی لمن سال عن الدواء الشافی]

انسان کے برے اعمال کے اثرات اُس کے دل پر زنگ کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ان آیات مبارکہ پر غور کیجیے:

﴿ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ كَلَّا بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ [المطففين ۸۳: ۱۰-۱۴]

''اُس دن کو جھٹلانے والوں کی بڑی خرابی ہے جو جزا وسزا کے دن کو جھٹلاتے رہے، اُسے صرف وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے آگے نکل جانے والا اور گنہگار ہوتا ہے۔ جب اُس کے سامنے ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ یہ اگلوں کے افسانے ہیں، یوں نہیں بلکہ اُن کے دلوں پر اُن کے اعمال کی وجہ سے زنگ چڑھ گیا ہے۔''

یعنی اُن کے دل اس قرآن اور وحی پر ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ اُن کے دلوں پر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے پردے پڑ گئے ہیں اور وہ زنگ آلود ہوگئے ہیں۔ ''زین'' گناہوں کی وہ سیاہی ہے جو مسلسل ارتکابِ گناہ کی وجہ سے اُن کے دل پر چھا جاتی ہے۔ حدیث میں ہے:

''بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اُس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو وہ سیاہی دور کر دی جاتی ہے اور اگر توبہ کے بجائے، گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ اُس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ ''زین'' ہے جس کا ذکر قرآنِ مجید میں ہے۔'' [ترمذی، باب تفسیر سورة المطففين، بحواله احسن البيان]

رسول اللہ ﷺ نے اِن زنگ آلود دلوں کی صفائی کا علاج بھی تجویز فرمایا ہے کہ قرآنِ حکیم کی تدبر وتفکر سے تلاوت کی جائے (اور اُس کے احکام کو حرزِ جان بنایا جائے) اور موت کو کثرت سے یاد کیا جائے (کہ اس سے فکر آخرت پیدا ہوگا۔)

اور قرآنِ حکیم نے دل سے سچی توبہ کی طرف توجہ دلائی ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ط ﴾ [التحريم ٦٦: ٨]

''اے ایمان والو! تم اللہ کے سامنے سچی توبہ کرو۔'' (آئندہ تمہاری زندگی اعمال صالحہ کے سانچے میں ڈھل جائے۔)

ایسی توبہ پر یہ بشارت دی گئی ہے:

﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ [الزمر ۳۹: ۵۳]

''(اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوجائیں، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے وہ تو غفور رحیم ہے۔''

اِس وقت پاکستانی قوم پر جو افتاد پڑی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے، کیا حکمران اور کیا عوام سب کو اللہ تعالیٰ کے حضور سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے اور بچاؤ کی صرف اور صرف یہی شکل ہے۔

گناہ کی نحوست:

امام ابوالفرج جمال الدین ابن الجوزی (وفات ۵۹۷ھجری) رقم طراز ہیں:

گناہوں سے لذت وہی محسوس کرتا ہے جو غفلت کے نشہ میں سرشار ہوتا ہے۔ رہا مومن تو اُسے گناہ میں لذت آ ہی نہیں سکتی کیوں کہ عین لذت کے وقت گناہ کے حرام ہونے کا علم اور عذاب کا خوف اُس کے سامنے ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ادراک اُسے کچھ بھی حاصل ہے تو وہ اپنے علم کی آنکھ سے دیکھ لے گا کہ روکنے والا بھی قریب ہی موجود ہے (جو ہر لمحہ اور ہر وقت اپنے بندوں کے اعمال سے آگاہ ہے بلکہ سینوں کے راز بھی جانتا ہے۔)

پس گناہ کے وقت بھی اُس کے عیش کا مزہ کرکرا ہونے لگتا ہے، اِس کے باوجود کوئی شخص اگر غفلت کا شکار ہو جائے، اور خواہشاتِ نفس کا غلام بن جائے تو اُس کا انجام سوائے ندامت اور خجالت کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ بدی کا معاملہ تو چند لمحوں کا ہوتا ہے مگر اُس کے اثرات دیر تک قائم رہتے ہیں اور انسان کو اپنے کیے پر مدتوں تک افسوس کرنا مسلط ہو جاتا ہے۔ حتی کہ معافی کا اگر یقین بھی ہو جائے تو عتاب کا خوف پھر بھی سامنے رہتا ہے۔

پس افسوس ہے اُن گناہوں پر جن کے آثار کس قدر قبیح اور جن کے انجام کس قدر بدترین ہیں اور (یاد رکھو) خواہشاتِ نفس اور برائیوں کا حصول بھی اُسی قدر ہوتا ہے جس قدر غفلت کا غلبہ ہوتا ہے (اور اس غفلت کا توڑ اُسی وقت ممکن ہے جب کوئی بندہ تقویٰ اور احسان کو اپنے اندر پیدا کرے۔) [صید الخاطر]



اطلاع عام

تمام جماعتی احباب اور مخیّر حضرات کو اطلاع ہے کہ ضلع چترال میں تنظیم المساجد اہل حدیث صوبہ سرحد کے زیر انتظام مدرسہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے (سابقہ) مدیر مولوی محمد یحییٰ ولد عبدالخالق کو مدرسہ کے نام پر چندہ اکٹھا کر کے اور اس کو ذاتی مفادات پر خرچ کرنے، مدرسہ اور مسلک کو ہر سطح پر بدنام کرنے، مدرسہ پر ذاتی گھر کی غرض سے قبضہ کرنے، اور اسی تنظیمی اثاثے کو ذاتی ملکیت ثابت کرنے کے لیے جعلی دستاویزات بنانے جیسے عظیم خیانتوں کی پاداش میں یکم جنوری ۲۰۰۹ء سے مدرسے کے مدیر کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا ہے۔

لہٰذا اس کے ساتھ مدرسے کے متعلق کسی قسم کے بھی تعاون اور لین دین سے گریز کیا جائے اور اپنا تعاون تنظیم المساجد اہل حدیث صوبہ سرحد، الجامعۃ الاثریۃ جمکنی پشاور کے ذیل اکاؤنٹ میں یا مدرسے کے موجودہ ناظم احسان اللہ کے ذریعے کیا کریں۔

آپ کا بھائی ابوعمر عبدالعزیز النورستانی

مدیر الجامعۃ الاثریۃ جمکنی پشاور و منتظم اعلیٰ تنظیم المساجد اہل حدیث صوبہ سرحد

رابطہ نمبر، مدیر مدرسہ: 0333-9114689 ناظم مدرسہ: 0344-9703172

اکاؤنٹ نمبرز: (2232-1) (2236-5)

الائیڈ بینک لمیٹڈ، جنرل بس اسٹینڈ برانچ (برانچ کوڈ: 316) جی ٹی روڈ۔ پشاور

معاشرتی مسائل

تعدد ازواج

مشروعیت، فوائد، حکمتیں اور شبہات کا ردّ

طارق محمود، ادارۃ العلوم الاثریہ، فیصل آباد

اللہ تعالیٰ کے بیش بہا انعامات اور دین اسلام کے بے شمار خصائص وفضائل میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک ہی وقت میں ایک سے زائد، چار تک بیویاں اپنے حبالۂ نکاح میں رکھنے کی اجازت دی ہے۔ تعددِ ازواج کی یہ اجازت جہاں بہت سی معاشرتی مشکلات کا حل ہے وہاں اس میں مرد وزن ہر دو جنس کے لیے یکساں طور پر متعدد فوائد پنہاں ہیں اور تعدد ازواج کی یہ اجازت بہت ساری حکمتوں پر مبنی ہے۔ اس مسئلہ میں دین اسلام کی خوبی یہ ہے کہ دیگر مسائل کی طرح نہ تو اس میں افراط برتا ہے اور نہ ہی تفریط سے کام لیا ہے بلکہ عین عدل اور فطرت کے مطابق اس مسئلہ کی تعلیم دے کر تا قیامت بنی نوع انسان کے لیے اس کو بطور شریعت مقرر فرما دیا ہے۔

اس مسئلہ میں اسلام کی اس خوبی کے باوجود غیر مسلموں کی طرف سے بہت اعتراضات کیے گئے ہیں۔ شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں:

''مسئلہ...... تعدد ازواج...... کے متعلق تو مخالفین نے جس قدر ورق سیاہ کیے ہیں ان کا کچھ حساب نہیں، کسی نے اس مسئلہ کی طفیل خدا کے پاک مذہب اسلام کو ظالم بتایا، کسی نے آزادی بنی آدم کے مخالف کا خطاب عطا کیا کسی نے اپنے لیکچروں میں کہا: کہ اسلام سے بجز تعدد ازواج کے کچھ روشنی دنیا میں نہیں آئی۔ غرض کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ لیکن یہ مسئلہ اپنی بنائے قوی کی وجہ سے ایسا مضبوط ہے کہ ایسے ویسے ہوا کے جھونکوں سے تو کیا بڑے بڑے زلزلوں سے بھی متاثر نہیں ہونے والا۔'' [تفسیر ثنائی، ج:۱، ص:۲۸۵]

مزید یہ کہ جہاں اسلام دشمن عناصر نے اس مسئلہ کی وجہ سے اسلام کو ہدف تنقید بنایا وہاں بعض تجدد پسند، مغرب زدہ مسلمان ''سکالرز'' بھی اس مسئلہ میں انقباض کا شکار نظر آتے ہیں اور وہ اس مسئلہ میں ایسی شروط وقیود لگاتے ہیں جس کی وجہ سے شاید ہی کوئی مسلمان اس سے اللہ کی دی ہوئی گنجائش، رخصت اور اجازت سے فائدہ اٹھا سکے۔ انہی اسباب ووجوہات کی بنا پر مسئلہ ہذا پر مندرجہ ذیل سطور لکھنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

تعدد ازواج کا ثبوت:

بیک وقت ایک سے زائد، چار تک بیویوں کو حبالہ نکاح میں لانا قرآن وسنت، اجماع امت (صحابہ کرام، فقہاء) اور مسلمانوں کے متواتر عمل سے ثابت ہے۔

قرآنِ مجید اور تعدد ازواج:

کتاب اللہ سے یہ مسئلہ بالصراحت اور اشارتاً دونوں طریقوں سے ثابت ہے۔ چناں چہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ج فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ط ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ط﴾ [النساء:۳]

''اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم یتیموں (یتیم بچیوں) کے بارے میں عدل نہ کر سکو گے تو اور دوسری عورتوں سے نکاح کر لو جو ان میں سے تمہیں پسند ہوں، دو، دو، تین، تین سے، چار، چار سے، اور

اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم (ان بیویوں سے) عدل وانصاف نہ کرسکو گے تو بس ایک ہی پر اکتفا کرو یا (پھر) ان پر (اکتفاء کرو) جو تمہاری لونڈیاں ہیں یہ زیادہ بہتر ہے کہ تم ظلم کرو۔''

یہ آیت اس مسئلہ میں نص صریح ہے کہ عدل کی شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے مرد، دو، تین یا چار تک بیویاں اپنے عقد میں رکھ سکتا ہے۔ اس آیت کی یہی تفسیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تا ہنوز معتبر مفسرین نے کی ہے اور مسئلہ تعدد ازواج میں اسے ماخذ قرار دیا ہے اور دلیل بنایا ہے۔

سیدہ عائشہ کی تفسیر:

هى اليتيمة تكون عند الرجل وهو وليّها فيتزوجها على مالها ويسيء صحبتها ولا يلمدل فى مالها فليتزوج ما طاب له من النساء سواها مثنى وثلاث ورباع ـ [بخاری: ۵۰۹۸]

یعنی اس آیت میں الیتامی سے مراد یتیم بچی ہے جو اپنے ولی، سرپرست کے پاس رہتی ہے اور اس کا ولی اس سے اس کے مال کی وجہ سے شادی کرنا چاہتا ہے اور وہ شادی کے بعد اس سے اچھا برتاؤ کرتا ہے اور نہ ہی اس کے مال کے معاملے میں انصاف کرتا ہے۔ لہٰذا اسے حکم ہے کہ وہ اس یتیم بچی کے علاوہ اور عورتیں جو اسے بھلی لگیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلے۔''

❀......عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر:

قصر الرجال على أربع من أجل أموال اليتامى ـ

''یتیموں کے مال کی حفاظت کی خاطر مردوں کو صرف چار شادیوں پر اکتفا کا کہا گیا ہے۔''

[تفسیر القرآن لابن منذر، ص: ۵۵۵]

❀......حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کی تفسیر:

كان الرجل يتزوج الأربع والخمس والست، والعشر، فيقول: ما يمنعنى من أن أتزوج كما يتزوّج فلان، فيأخذ مال اليتيم، فيتزوج به، فنهوا أن يتزوج الرجل فوق الأربع ـ

یعنی آدمی چار، پانچ، چھ اور دس دس شادیاں کرتا اور کہتا کہ میں فلاں کی طرح کیوں شادیاں نہ کروں، پھر وہ (اپنے زیر نگرانی) یتیم کے مال کو بھی نئی شادیاں رچانے پر خرچ کرتا جاتا (لہٰذا اس آیت میں ایسے لوگوں کو) منع کردیا گیا کہ وہ چار سے زیادہ شادیاں کریں۔''

اس آیت کی یہی تفسیر امت کے باقی مسلمہ مفسروں نے کی ہے اور اس سے استدلال کرتے ہوئے چار تک شادیوں کو جائز قرار دیا ہے۔

چناں چہ مشہور مفسر امام فقیہ عماد الدین کیا الھراسی (ت: ۵۰۴ھ) احکام القرآن میں فرماتے ہیں:

وقال جمهور العلماء: المراد به إباحة الثنتين إن شاء والثلاث إن شاء، والأربع إن شاء ـ الخ

[ج: ۱، ص: ۳۱۷]

''یعنی جمہور علماء کے ہاں (مثنی وثلاث ورباع) سے مراد یہ ہے کہ اس میں مرد کے لیے اگر وہ چاہے تو دو، تین، چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے۔''

قرآن مجید سے دوسری دلیل:

﴿ وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ﴾

''اور تم ہرگز عورتوں (اپنی بیویوں) کے درمیان عدل نہ کرسکو گے اگرچہ اس کی حرص ہی کیوں نہ کرو۔ سو بالکل مکمل طور پر مت پھر جاؤ کہ اس کو لٹکتی ہوئی چھوڑ دو۔'' [النساء: ۱۲۹]

تعدد ازواج پر اس آیت سے استدلال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں یعنی خاوندوں کو خبردار فرمایا ہے کہ تم حرص کے باوجود اپنی ازواج کے درمیان عدل نہ کرسکو گے لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ تم مکمل طور پر ایک ہی طرف جھک جاؤ اور باقی بیویوں کو کلی طور پر عدم توجہ کی وجہ سے معلق چھوڑ دو۔

گویا اس آیت میں ''بین النساء'' سے مراد بیویاں ہیں جو کسی مسلمان کے عقد نکاح میں ہیں اور انہی کے بارے میں اسے حتی الامکان حد تک عدل کا حکم دیا جا رہا ہے۔

احادیث سے ثبوت:

(۱) من كان له امرأتان فمال إلى إحداهما جاء يوم القيامة وشعة مائل ۔ [ابوداؤد، رقم: ۲۱۳۳، الإرواء: ۸۰/۷]

''جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے کسی ایک کی طرف جھک جائے، وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو مائل ہوگا۔''

(۲) عن أنس رضي الله عنه قال: من السنة إذا تزوج الرجل البكر على الثيب أقام عندها سبعاً وقسم، وإذا تزوج الثيب أقام عندها ثلاثة ثم قسم۔ [بخاری، رقم: ۵۲۱٤، مسلم وغیرہ]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی کنواری عورت سے شادی کرے اور اس کے پاس پہلی بھی ''ثیب'' بیوی ہو تو وہ نئی کنواری بیوی کے پاس سات دن رہے پھر بیویوں کے درمیان باری مقرر کرے، اور اگر اس نے دوسری شادی ایسی عورت سے کی جو کنواری نہیں تھی تو اس کے پاس تین دن رہے اور پھر باری مقرر کرے۔''

(۳) عن أسماء رضي الله عنها: أن امرأة قالت: يا رسول الله، إن لي ضرة فهل علي جناح أن تشبعت من زوجي غير الذي يعطيني؟ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: المتشبع بما لم يعط كلابس ثوبي زور ۔ [بخاری، رقم: ۵۲۱۹]

''حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، میری ایک سوکن ہے کیا مجھ پر کوئی گناہ ہے اگر میں اس کے سامنے اپنے خاوند سے ایسی چیز ملنے کا دعویٰ کروں جو وہ مجھے نہیں دیتا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو ایسے ہی ہے جیسے کسی نے جھوٹ کے دو کپڑے پہنے ہوں۔''

مذکورہ شدہ احادیث میں جہاں نکاح، شادی اور بیویوں کے بعض احکام کا ذکر ہے وہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان مرد ایک سے زیادہ شادیاں کر سکتا ہے اور بیک وقت متعدد بیویاں رکھ سکتا ہے۔

ہم نے صرف تین صحیح احادیث پر اکتفا کی ہے اس سلسلہ میں ہمارے پیش نظر اور بھی متعدد احادیث ہیں لیکن مسئلہ کی وضاحت اور ثبوت کے لیے یہ تعداد بھی کافی ہے۔

تعدد ازواج جس طرح قرآن وحدیث سے ثابت ہے اسی طرح اجماع امت سے بھی ثابت ہے عہد نبوی اور عہد صحابہ سے لے کر تا وقت حاضر امت کے فقہاء اس کے جواز پر مجتمع ہیں اور ہر دور میں ہر مسلمان معاشرے میں بے شمار لوگ اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔

تعدد ازواج کی حکمتیں:

① ...... کثرتِ امت: اسلام نے کثرتِ اولاد کو مستحسن سمجھا ہے اسی لیے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

تزوجوا الودود فإني مكاثر بكم الأمم ۔ [ابوداؤد: ۲۰۵۰، النسائی: ۳۲۲۹، آداب الزفاف، ص: ٦٠]

''کہ ایسی عورتوں سے شادی کرو جو محبت کرنی والی اور زیادہ اولاد پیدا کرنی والی ہوں بے شک میں اپنی امت کی کثرت پر قیامت کے دن فخر کروں گا۔''

لہٰذا حصولِ کثرت اولاد کا مقصد تعددِ ازواج سے بحسن وخوبی پورا ہو سکتا ہے۔ مزید یہ کہ بعض مرد اپنی معاشرتی، خاندانی، سیاسی اور بسا اوقات تجارتی وجوہات کی بنا پر بھی زیادہ بیٹوں کے حصول کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ لہٰذا زیادہ عورتوں سے نکاح کے ذریعے سے وہ اپنے اس جائز مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور امت مسلمہ کو نفری قوت بہم پہنچا سکتا ہے۔

④......فحاشی کا سدباب: اسلام نے فحاشی کی طرف جانے والے تمام راستوں کو مسدود کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ فحاشی ابتدائی صورت میں ہو یا انتہائی صورت میں، اپنے سخت مضر اثرات رکھتی ہے اور معاشرے میں نوجوانوں کی صلاحیتوں کو گھن کی طرح چاٹ جاتی ہے، فحاشی معاشرے میں جہاں اور بے شمار مسائل پیدا کرتی ہے وہاں عذابِ الٰہی کو بھی دعوت دیتی ہے۔

اللہ کے سچے دین، اسلام نے فحاشی کو روکنے کے لیے جن اسباب کو اختیار کیا ہے ان میں سے ایک تعدد ازواج ہے۔ کیوں کہ ایک عورت سے جائز جنسی تعلق کو ناکافی سمجھنے والے کو اسلام نے شرعی اور قانونی طور پر اجازت دی ہے کہ وہ دائرہ شریعت میں رہتے ہوئے دوسری، تیسری اور چوتھی بیوی تو رکھ سکتا ہے لیکن اسے کسی طرح بھی زنا، بدکاری اور بے راہ روی کی قطعاً اجازت نہیں۔

لہٰذا جب کسی انسان کو چار تک شادیوں کی اجازت ہوگی تو وہ اہل یورپ کی طرح اِدھر اُدھر منہ مارنے کی بجائے جائز طریقے سے جنسی خواہش پوری کر سکے گا اور فحاشی کا بازار گرم کرنے سے کچھ نہ کچھ شرم ضرور محسوس کرے گا۔

فی الحقیقت نکاح اور شادی مردانہ خواہش کی تکمیل، نظر کی حفاظت اور حیا سوز حرکات سے بچنے کا بہترین سبب اور عمدہ ذریعہ ہے۔ اس کامیاب نسخہ کی طرف خود سید کائنات ﷺ نے بھی رہنمائی فرمائی ہے:

يا معشر الشباب من استطاع منكم الباءة فليتزوج فإنه أغضّ للبصر و أحصن للفرج ۔ [متفق عليه]

''اے نوجوانوں کی جماعت! تم میں سے جسے (جسمانی، مالی وغیرہ) طاقت ہو وہ ضرور شادی کرے۔ کیوں کہ یہ اس کی نظر کو نیچے رکھنے اور شرمگاہ کی حفاظت کے لیے بہترین چیز ہے۔''

انسانی فطری جذبات کا لحاظ:

بعض مرد فطری طور پر جنسی تعلقات کی زیادہ خواہش اور قوت رکھتے ہیں۔ ایسے انسان کو اور نسبتاً کم جنسی خواہشات اور قوت رکھنے والے انسان کو برابر طور پر اس لحاظ سے پابند کرنا کہ وہ دونوں صرف ایک ایک شادی کر سکتے ہیں ناانصافی ہے۔ اور زیادہ قوت وخواہش والے مرد کی فطرت کا ناجائز طور پر دبانا ہے جو دنیا کے بناوٹی، وضعی، خود ساختہ اور دفع الوقتی قوانین میں تو ہو سکتا ہے۔ لیکن فطرتِ انسانی کے خالق ومالک کے بھیجے ہوئے دائمی، ابدی قانون میں اس کا وجود ناممکن ہے۔

انسانی حقوق اور آزادیوں کے نام نہاد علمبردار، مرد کے اس فطری حق اور آزادی کو ماننے کے لیے تو تیار نہیں بلکہ وہ تعدد ازواج کی آڑ میں برحق دین اسلام پر طرح طرح سے قدغن لگاتے نظر آتے ہیں اور اپنے ممالک میں اس کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں ہیں، اور اگر ناجائز طریقے، زنا سے یہی مرد بیسیوں بازاری، زانی اور جسم فروش عورتوں سے بدکاری کرتا پھرے تو اس کو کوئی عیب خیال نہیں کرتے۔ والعیاذ باللہ

انسانی خاندانی حالات کی رعایت:

بسا اوقات انسان کے خاندان میں ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جن کا حل اس کے لیے بجز دوسری، تیسری شادی کے اور کوئی نظر نہیں آتا۔ مثلاً: کسی انسان کی قریبی رشتہ دار خاتون بیوہ ہو جائے یا کوئی قریبی رشتہ دار عورت ایسی ہو جس سے نکاح کرنے میں دوسروں کو رغبت کم ہو، کوئی اس سے نکاح کرنے کے لیے تیار نہ ہو تو ایسی عورت سے نکاح کرنا اس کی مجبوری بن جاتا ہے۔ اب اگر تعدد ازواج جائز ومباح نہ ہو تو ایسی پریشانی سے نکلنا اس کے لیے بہت مشکل یا ناممکن ہو جاتا ہے۔ لیکن تعدد ازواج کی اس رعایت واباحت سے آدمی اپنے مذکورہ خاندانی مسائل پر بحسن وخوبی قابو پا لیتا ہے۔

تعدد ازواج اور صنف نازک کا مفاد:

تعدد ازواج کا جواز صرف مردوں کے مفاد میں ہی نہیں بلکہ صنف نازک بھی اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل سطور میں مسئلہ ہٰذا میں عورت کو حاصل ہونے والے فوائد کا ذکر کیا جائے گا۔ ان فوائد کے تذکرہ کے بعد اسلام دشمنوں، مغرب زدہ مرعوب مسلمانوں اور نادان مسلمان عورتوں کا یہ شبہ اور خیال باطل بھی دور ہو جائے گا کہ زیادہ شادیاں کرنے سے صرف مرد کے فوائد وابستہ ہیں، اس میں عورت کی حق تلفی اور اس پر ظلم ہے۔

①......عورت کی قدر ومنزلت اورشان میں اضافہ: اس مسئلہ میں عورت کو پہلا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ اس کی عزت، قدر، منزلت اور شان میں اضافہ ہوجاتا ہے اور وہ اس طرح کہ جب مرد ایک سے زیادہ شادیاں کریں گے تو اس سلسلے میں غیر شادی شدہ عورتوں کی تعداد یقیناً مردوں کی نسبت کم ہوجائے گی۔ کیوں کہ مرد تو جتنے ہیں اتنے ہی رہیں گے لیکن دو دو، تین تین یا چار چار عورتوں سے نکاح کرنے کی وجہ سے عورتوں کے رشتے ملنے میں کافی دقت ہوگی اور اس طرح عورتوں کی قدر اور شان میں اضافہ ہوگا۔

یہ بات صرف فرضی نہیں ہے بلکہ واقعاتی صورتِ حال اس پر بھرپور مؤید ہے۔ مثلاً: ہمارے پاکستانی معاشرے میں دیگر ممالک کی طرح عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور عموماً تعدد ازواج کا رواج بھی نہیں جس کی وجہ سے بچیوں کے لیے رشتے ملنا کوئی آسان کام نہیں جبکہ اس کے برعکس وہ عرب ممالک جہاں تعدد ازواج کا عام رواج ہے وہاں عورتوں کا رشتہ ملنا بہت مشکل ہے اور پھر وہاں عموماً نکاح سے پہلے بیوی کی تمام حاجات وضروریات پوری کرنا خاوند کے لیے ضروری ہوتا ہے، مثلاً علیحدہ مکان اور دیگر ضروریاتِ زندگی۔ جب کہ ہمارے معاشرے میں بسا اوقات بچیوں کے لیے رشتے نہ ملنے کی وجہ سے والدین ان کے لیے نامناسب رشتوں کو بھی قبول کرلیتے ہیں۔ مثلاً لڑکے کا بے روزگار ہونا، بچے کا کم پڑھا لکھا یا ناخواندہ ہونا وغیرہ۔

②......مسئلہ کثرتِ نساء کا بہترین حل: یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ مردوں کی نسبت عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔ خصوصاً جنگی حالات میں جب کسی علاقے یا ملک کے بہت سے مرد جنگوں کی نذر ہوجاتے ہیں تو اب اگر یہ کہا جائے کہ ایک مرد کے لیے صرف ایک ہی بیوی ہونی چاہیے تو عورتوں کی بہت ساری تعداد بغیر شادی اور نکاح کے رہ جائے گی، اور عورت کے نکاح کا شرعی اور فطری حق سلب ہوجائے گا۔ اس لیے تعدد ازواج ''مسئلہ کثرتِ نساء اور ان کا نکاح'' کا بھی عمدہ، پاکیزہ اور باعزت حل ہے۔ لہٰذا تعدد ازواج میں عورت کو دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ سب عورتوں کا کسی کے عقد نکاح میں آ کر پاکیزہ زندگی گزارنا آسان ہوجاتا ہے۔

③...... خاص ایام میں عورت کو حاصل ہونے والے فوائد: عورتوں کے بعض ایام تو ایسے ہوتے ہیں جن میں بیوی سے خاوند کی مقاربت جائز اور درست نہیں ہوتی، مثلاً: حیض، نفاس کے ایام وغیرہ۔ اور بعض ایام عورت پر ایسے بھی آتے ہیں کہ عورت سے مقاربت جائز تو ہوتی ہے لیکن عورت مقاربت کو پسند نہیں کرتی، مثلاً: عورت کی معمولی بیماری کے ایام، عورت کا عبادت کی وجہ سے مقاربت کو پسند نہ کرنا، بعض عورتیں طبعی طور پر شہوت کی کمی کی وجہ سے کثرتِ مقاربت کو پسند نہیں کرتیں۔ ایسی اور اس کی مثل دوسری صورتوں میں تعدد ازواج میں ایسی عورت کے لیے یہ فائدہ ہے کہ خاوند اپنی جائز حاجت دوسری بیویوں سے پوری کرلے گا اور مذکورہ عورت کے آرام میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا اور عورت کو خاوند کی اطاعت اور دل جوئی کے لیے اپنے اوپر جبر نہیں کرنا پڑے گا۔

④......عورت کی گھریلو ذمہ داریوں میں آسانی: اسلام نے عورت کا دائرہ کار گھر کو مقرر کیا ہے اور عورت کی گھریلو ذمہ داریاں اتنی اہم، عظیم اور زیادہ ہیں کہ عورت بڑی محنت، کوشش اور جان مار کر ان کو نباہ پاتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں ان مسائل اور ذمہ داریوں سے سب واقف ہیں۔ تعدد ازواج میں عورت ایک یہ فائدہ حاصل کرتی ہے کہ اس کو اپنے خاوند کی دوسری، تیسری بیوی کی صورت میں ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں بہترین معاون مل جاتا ہے۔ خاوند کی خدمت کا بوجھ تقسیم ہوجاتا ہے، گھر کی صفائی ستھرائی اور دیگر کاموں کے سرانجام دینے میں آسانی ہوجاتی ہے۔

⑤...... بانجھ عورت اور تعدد ازواج کے فوائد: طلب اولاد ہر انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ نکاح کے مقاصد میں حصول اولاد اہم ترین مقصد ہے۔ خدانخواستہ نکاح کے بعد اگر عورت بانجھ پن کی وجہ سے یا کسی بیماری کی وجہ سے یا قدرتی، طبعی استعداد نہ ہونے کی وجہ سے اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تو ایسی صورت میں تعدد ازواج سے مرد کی

یہ فطری خواہش پوری ہوسکتی ہے کہ وہ دوسری شادی سے حصولِ اولاد میں بتوفیق اللہ کامیاب ہوجائے اور ایسی عورت کے لیے یہ فائدہ ہے کہ شوہر کو طلاق دینے کی نوبت نہ آئے گی اور یہ عورت پریشانی سے بچ جائے گی، اور باعزت زندگی گزارتی رہے گی۔ بلکہ ایسی عورت جو خود مذکورہ وجوہات کی بنا پر اولاد جننے کے قابل نہیں ہے وہ بھی اپنے شوہر کی دوسری بیوی کی اولاد سے کسی حد تک مامتا والے فطری جذبات کا اظہار کرسکتی ہے اور اگر یہ عورت، خاوند اور اس کی دوسری بیوی اچھے اخلاق کی مالک ہوں تو یہ بے اولاد عورت بھی خاوند کے بچوں کے لیے ماں بن کر اپنے جذباتِ امومت کو تسکین دے سکتی ہے اور اولاد سے محرومی کا احساس بہت حد تک کم ہوسکتا ہے۔

⑥...... بیوہ، بے سہارا عورتیں اور تعدد ازواج: ہر معاشرے میں بیوہ اور بے سہارا خواتین کی کچھ نہ کچھ تعداد ضرور ہوتی ہے۔ ایک ہی شادی کی صورت میں بیواؤں اور بے سہارا خواتین کی طرف لوگوں کا رجحان کم ہوتا ہے۔ کیوں کہ عموماً لوگوں کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ اگر ایک ہی شادی کی اجازت ہے تو کسی بیوہ بے سہارا عورت سے کیوں شادی کی جائے؟ بلکہ کنواری اور خاندانی طور پر مضبوط عورت کی طرف میلان ہونا قدرتی اور طبعی امر ہے۔ جب کہ تعدد ازواج کی صورت میں ایسی عورتوں سے نکاح کرنا آسان ہوجاتا ہے اور ایسی عورتوں کو باعزت زندگی گزارنے کا موقع مل جاتا ہے۔

مسئلہ تعدد ازواج پر شبہات کا ازالہ

پہلا شبہ:

بعض لوگ اس سلسلے میں یہ کہتے ہیں کہ ایک سے زائد شادی کرنا بیویوں کے درمیان عدل کرنے سے مشروط ہے جیسا کہ اسی آیت میں موجود ﴿ فان خفتم الا تعدلوا فواحدة ﴾ سے ظاہر ہے اور عدل کو برقرار رکھنا کسی کے بس میں نہیں ہے جیسا کہ قرآنِ مجید میں بھی موجود ہے:

﴿ وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ ﴾

''اور تم عورتوں (بیویوں) کے درمیان ہرگز عدل نہیں کرسکو گے اگرچہ اس کی حرص ہی کیوں نہ کرو۔''

لہٰذا ان حضرات کے نزدیک نتیجہ یہ نکلے گا کہ جب شرط نہ پائی گئی تو مشروط بھی نہیں پایا جائے گا۔ لیکن ان حضرات کی یہ منطق درست نہیں جس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

①...... ان احباب کی اس فکر کی تردید خود اسی آیت میں موجود ہے۔ لہٰذا پوری آیت مبارکہ اس طرح ہے:

﴿ وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَ لَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَ اِنْ تُصْلِحُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ [النساء: ۱۲۹]

اس آیت مبارکہ میں ﴿ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ﴾ ''پس مت جھک جاؤ مکمل طور پر جھک جانا پس چھوڑ دو ان کو جیسے لٹکی ہوئی ہیں۔'' سے بالکل ظاہر ہے کہ شرطِ عدل سے مراد یہ ہے کہ حتی الامکان عدل کرو، اور اس سلسلے میں ایسا نہ ہو کہ تم ایک طرف تو مکمل طور پر جھک جاؤ اور باقی بیویوں کو معلق چھوڑ دو کہ وہ نہ تمہاری زوجیت سے کوئی فائدہ اٹھا سکیں اور نہ ہی کسی اور خاوند کی طرف جانے کا کوئی راستہ پائیں۔ گویا اس فرمان الٰہی میں کماحقہ عدل کرنے کو استطاعت انسانی سے باہر ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ لیکن اس کو تعدد کے عدمِ جواز کی علت قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ منع اس بات سے کیا گیا ہے کہ یہ میلان کسی ایک بیوی کی طرف ایسا نہ ہو کہ دوسری بیویاں بالکل معلق ہو کر رہ جائیں۔

بلکہ اس آیت سے تو تعدد ازواج کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

②...... اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان میں جس عدل کے عدمِ مستطاع ہونے کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد قلبی میلان، محبت اور بیوی سے دلی لگاؤ ہے جیسا کہ اکثر و بیشتر مفسرین نے سمجھا ہے اور یہ واقعتاً انسان کی استطاعت سے باہر ہے۔ یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ جو معاملہ انسانی استطاعت کی حدود سے خارج ہے بھلا اسی کو علت بنا کر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اس بنا پر تعدد ازواج منع ہے۔ اسی لیے قرآنِ مجید

میں اس علت کو بنیاد بنا کر تعدد سے منع نہیں کیا گیا بلکہ صرف وہ چیز جو انسانی استطاعت میں داخل ہے اسے اس حد تک عدل کو برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ﴿ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ ﴾ اور آیت کے اس حصہ کی تفسیر عموماً مفسرین نے یہ فرمائی ہے کہ اس سے مراد بیویوں کے درمیان باری مقرر کرنا، نان ونفقہ اور سکنی وغیرہ میں عدل کو برقرار رکھنا ہے۔ کیوں کہ یہ باتیں انسان کی استطاعت میں ہیں۔

اور آپ ﷺ کے فرمان:

اللّٰهم هذا قسمتي فيما أملك فلا تلمني فيما تملك ولا أملك ۔

''الٰہی! یہ میری بیویوں کے درمیان تقسیم ہے جو میرے اختیار میں ہے مجھے اس (عدل، تقسیم) کے بارے میں ملامت نہ فرمانا جس کا اختیار آپ کو تو ہے لیکن میرے اختیار سے وہ باہر ہے۔''

سے بھی بالکل ظاہر ہے کہ انسان صرف اسی عدل کا مکلّف ہے جو اس کے اختیار میں ہے نہ کہ اس عدل کو قائم کرنے کا جو اس کی حد استطاعت سے خارج ہے اور آپ ﷺ نے دوسری قسم کے عدل میں عدمِ استطاعت کو تعدد ازواج کے منع ہونے کی علت نہیں بنایا بلکہ اللہ کے سامنے اس بارے میں عدمِ ملامت کی التجاء فرمائی ہے۔

دوسرا شبہ:

تعدد ازواج کا دائرہ تنگ کرنے، اس کے جواز میں خواہ مخواہ کے شکوک وشبہات پیدا کرنے کے سلسلے میں ایک شبہ یہ بھی وارد کیا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سختی سے منع فرما دیا تھا جب انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہا، اور آپ ﷺ نے تاکیداً فرمایا:

فلا آذن، ثم لا آذن، ثم لا آذن ۔ [بخاری شریف، رقم: ۵۲۳۰]

''میں (علی رضی اللہ عنہ کو اس نکاح کی) اجازت نہیں دیتا، پھر مکرر اجازت نہیں دیتا، پھر اجازت نہیں دیتا۔''

جواب: یہ شبہ بھی سابقہ شبہ کی طرح انتہائی کمزور اور پوری حدیث پر عدم تدبر کا نتیجہ ہے یا پھر تجاہل عارفانہ کا مصداق۔ اوّلاً تو اس واقعہ میں آپ ﷺ نے تعدد بطور عام قانون منع نہیں فرمایا بلکہ بعض وجوہات کی بنا پر صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ سیدہ نساء اہل الجنہ کے ساتھ ابوجہل کی بیٹی کو جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس منع کا سبب بھی اس حدیث میں بیان فرما دیا ہے کہ

لا تجمع ابنة رسول اللّٰه وابنة عدو الله مكانا واحدا أبداً ۔ [فضائل الصحابة للإمام احمد، رقم: ۱۳۳۵]

''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن (ابوجہل) کی بیٹی کبھی ایک جگہ پر جمع نہین ہوسکتیں۔''

ثانیاً: اسی حدیث میں آپ ﷺ کے یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

وإني لست أحرم حلالاً ولا أحل حراماً ۔

[بخاری: ۳۱۱۰، مسلم، فضائل الصحابة، رقم: ۱۳۳۵]

''کہ میں (حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نکاح ثانی سے منع کرکے) کسی حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں کرنا چاہتا۔''

حدیث کے ان الفاظ سے تو معاملہ ہی صاف ہوجاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منع کرنے کا مقصد تعدد ازواج جو حلال ہے اس کو حرام کرنا نہیں تھا صرف آپ ﷺ نے بحیثیت ولی ہونے کے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ عدو اللہ ابوجہل کی بیٹی آپ ﷺ کی بیٹی کے ساتھ ایک جگہ پر رہیں۔

بلکہ اس واقعہ سے تو اس کے برعکس یہ ثابت ہوتا ہے کہ تعدد ازواج جائز ہے اگر ناجائز ہوتا تو اولاً اتنے بڑے مسئلے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوشیدہ رہنا مشکل تھا۔ پھر آپ ﷺ نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ تعدد ناجائز ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منع کرنے کی ایک خاص علت بیان فرمائی ہے۔

تیسرا شبہ:

اس مسئلہ میں حکمتوں اور فوائد سے صرف نظر کرتے ہوئے مغرب زدہ حضرات ایک شبہ مزید یہ پیدا کرتے ہیں کہ زیادہ بیویوں سے ایک

وقت میں عقد اور شادی سے عورت کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے۔

اس شبہ کا ازالہ:

① ......مسلمان سے اس شبہ کو زائل کرنے اور اس کے دل کی تشفی کے لیے تو اتنی دلیل ہی کافی ہے کہ تعدد ازواج کی اجازت دینے والی ذات، عورت کے حقوق کے بارے میں ان نام نہاد تحفظ حقوق نسواں کے دعوے داروں سے بدر جہا زیادہ بہتر جانتی ہے۔ اگر اس ذاتِ باری تعالیٰ نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے تو اس میں عورت کا فائدہ تو ہو سکتا ہے نقصان اور حق تلفی قطعاً نہیں ہو سکتی۔

② ......ہم پہلے یہ ثابت کر آئے ہیں کہ تعددِ ازواج سے صرف مرد ہی مستفید نہیں ہو سکتا بلکہ متعدد وجوہ سے عورت بھی فوائد حاصل کرتی ہے۔ لہٰذا اس میں عورت کا مفاد تو ہے حق تلفی قطعاً نہیں۔

③ ......اسلام نے تعدد کی اجازت ہی تب دی ہے جب مرد حد استطاعت تک عدل وانصاف کا مظاہرہ کرے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے خود اس آیت میں فرمایا ہے:

﴿ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ [النساء:٣]

''اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم (بیویوں کے درمیان) عدل نہ کر سکو گے تو ایک سے ہی نکاح کرو، یا جو تمہاری لونڈیاں ہیں۔''

مزید فرمایا:

﴿ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ﴾ [النساء:١٢٩]

''پس نہ مائل ہو جاؤ بالکل مکمل طور پر مائل ہونا کہ تم ان کو معلق چھوڑ دو۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من كان له امرأتان فمال إلى إحداهما جاء يوم القيامة وشقه مائل۔

جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف مائل ہو گیا تو وہ قیامت کے دن ایسے حال میں آئے گا کہ اس کی ایک جانب جھکی ہوئی ہوگی۔

گویا اسلام نے تعدد کی اجازت بھی دی ہے اور مرد کو بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کا حکم بھی دیا ہے۔



تبلیغی اجتماع

کلیال، وادی سون ضلع خوشاب میں ایک تبلیغی اجتماع 17,16 اگست 2009ء بروز اتوار، پیر منعقد ہوگا۔

صدارت: قاری شاہ محمد ربانی (امیر جماعت اہل حدیث کلیال)

مقررین: حافظ عبدالغفار المدنی، مولانا منظور احمد، حافظ عبدالماجد سلفی و دیگر خطاب کریں گے۔ (ان شاءاللہ)

شرکاء اجتماع کے لیے کھانے اور قیام کا بہترین انتظام ہوگا۔ ساتھیوں سمیت شرکت فرمائیں۔

[ابو عبدالرحمٰن حافظ عبداللہ امام جامع مسجد الرحمٰن کلیال، وادی سون]

گوشۂ خواتین

آخری قسط

بیویوں کے باھمی تعلقات ④

امِّ عبد منیب

اصلاحِ نفس کے چند نسخے

غصے کا علاج:

ایک بیوی کو دوسری بیوی پر غصہ یا غیرت آنا ایک فطری امر ہے اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ غصے پر قابو پایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرُعَةِ انما الشّديدُ الَّذى يملِكُ نفسَهٗ عِنْدَ الغضبِ ۔" [بخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، ح: ٦١١٤]

''پہلوان وہ نہیں جو مد مقابل کو پچھاڑے اصل پہلوان وہ ہے جو اپنے غصے پر قابو پالے۔''

نیز ربّ کریم نے غصہ پی جانے والوں کا اپنا محبوب قرار دیا ہے، فرمایا:

﴿ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [آلِ عمران: ١٣٣، ١٣٤]

''اور اپنے ربّ کی بخشش اور جنت کی طرف لپکو جس کا عرض زمین وآسمان کے برابر ہے اور جو (اللہ سے) ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے، جو آسودگی اور تنگی میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں، جو غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور اللہ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

اگر ایک بیوی کو اپنی سوکن پر جائز غصہ بھی آتا ہے تو حکم الٰہی کی اطاعت میں اسے ختم کرنے کی کوشش کرے اور غصے میں کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالے جو شوہر کی نافرمانی یا گستاخی کی ذیل میں آتی ہے یا سوکن کا دل جلانے یا اسے مزید مشتعل کرنے کا باعث بنے۔

شکر وقناعت پیدا کریں:

اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کے لیے یہ پسند کیا ہے کہ وہ شاکر وقانع ہو، یعنی اسے جو کچھ مل رہا ہے اس پر دل کی خوشی کے ساتھ بھرپور اطمینان محسوس کرے اور یہ مت سوچے کہ فلاں کے پاس تو یہ یہ کچھ ہے اور میرے پاس نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" انظروا الی من هو اسفل منكم ولا تنظروا الی من هو فوقكم فهو اجدر ان لا تزدروا نعمة الله عليكم۔" [بخاری، کتاب الرقاق، ح: ٦٤٩٠، مسلم، اوائل کتاب الزهد والرقاق، ح: ٢٩٢٣]

''ایسے لوگوں کی طرف دیکھو جو (دنیا کے مال واسباب کے لحاظ سے) تم سے کم تر ہیں اور ان کی طرف مت دیکھو جو (مال ودولت میں) تم سے بڑھ کر ہیں، اس طرح زیادہ لائق ہے کہ پھر تم اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناقدری نہ کرو جو اس کی طرف سے تم پر ہوئی ہیں۔''

اگر کسی عورت کو اس بات سے دکھ پہنچتا ہے کہ اس کے شوہر کی دوسری یا تیسری بیوی بھی ہے تو اسے ان عورتوں کی طرف دیکھنا چاہیے جن کے بال سفید ہونے لگے، جن کے چہروں پر جھریاں پڑنا شروع ہوگئیں، شوہر کا انتظار کرتے کرتے وہ بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکیں لیکن وہ ایک چوتھائی، ایک تہائی یا آدھے شوہر سے بھی محروم ہیں۔

اگر مالی حالات اتنے اچھے نہیں، روکھی سوکھی پر گزارہ ہوتا ہے تو

گھبرائیں نہیں، اللہ کا شکر ادا کریں کہ وہ روکھی سوکھی دے رہا ہے ورنہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو یہ بھی میسر نہیں۔ ہمارے لیے بہترین نمونہ رسول اللہ ﷺ کی عائلی زندگی ہے۔

عروہ کہتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اے میرے بھانجے! ہم دو مہینے میں تین مرتبہ چاند دیکھتے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں چولہا نہیں جلتا تھا۔ میں نے کہا: پھر گزارہ کیسے ہوتا تھا؟ فرمایا: دو کالی چیزوں کھجور اور پانی پر۔ البتہ رسول اللہ ﷺ کے پڑوسی انصار کی دودھ کی اونٹنیاں تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کو ہدیے کے طور پر دودھ بھیج دیتے اور آپ ﷺ ہمیں وہ پلوا دیتے۔ [بخاری، کتاب الرقاق، ح:۶۴۵۹]

شکر اور قناعت سے یہ اندیشہ نہیں ابھرے گا کہ دوسری بیوی اور بچوں کی وجہ سے رزق کی کمی ہے بلکہ یہ جذبہ پیدا ہوگا کہ ہر ایک اپنی اپنی جگہ اپنا اپنا حصہ اللہ تعالیٰ سے وصول کر رہا ہے۔

شکوہ وشکایت سے پرہیز:

بعض خواتین کی عادت ہوتی ہے کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اپنے حق میں بہت بڑی ناانصافی تصور کرتی ہیں، جب کہ اسلامی اخلاق اور مومنانہ محبت کا یہ تقاضا ہے کہ چھوٹی کیا بڑی رنجشیں بھی نظر انداز کر دی جائیں۔ اپنے دل میں کوئی ایسا خانہ ہی مت رکھیں جس میں شکایات کے جمع ہونے یا ٹھہرنے کی گنجائش ہو، اپنے دل کو وسعت، قناعت، مہر ومروّت اور فیاضی سے آباد کریں۔ ایک مسلمان کا اصل غم فکر آخرت ہے روزمرہ کی معمولی پریشانیوں کو آخرت کے بڑے غم میں مدغم کر دیں۔

سوکنوں کے باہمی تعلقات ہوں یا معاشرے کے دوسرے افراد کے مابین تعلقات، شکوے اور شکایات سے جس قدر اجتناب کیا جائے، معاشرہ اسی قدر زیادہ خوشگوار ہوتا اور پھلتا پھولتا ہے۔ اگر کوئی شکایت پیدا ہو جائے تو اسے نظر انداز کر دیں یا پھر باہم کہہ سن کر رفع دفع کر لیں مگر خاوند کے سامنے دفتر شکایات مت کھولیں یہ طریقہ غیبت، چغلی اور کم ظرفی کا آئینہ دار ہے۔

یاد رکھیے کہ خاوند بعض اوقات ذرا سی شکایت سن کر شدید غصے میں آجایا کرتا ہے اور غصے میں یا تو دوسری بیوی کو مار پیٹ کرے گا یا شکایت لگانے والی ہی کو ڈانٹ کی زد میں لے آئے گا۔ نیز غصے میں بعض اوقات مرد ایسے الفاظ کہہ بیٹھتا ہے جن سے نکاح جیسا نازک رشتہ ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

اگر سوکن سے یا خاوند سے کوئی ایسی شکایت پیدا ہوگئی ہے جسے دور کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے تو خوب صورت، بے ضرر، شیریں لہجے اور اچھے الفاظ کے ساتھ اس کو رفع کرنے کی کوشش کریں کہ یہی اسلامی اخلاق کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا:

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ﴾ [المؤمنون:۹۶]

”اور برائی کے جواب میں ایسا رویہ رکھو جو نہایت اچھا ہو اور جو کچھ وہ بیان کرتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے۔“

شیطان کو زیر کریں:

یاد رہے کہ سوکن سے حسد، غیرت وغیرہ شیطان پیدا کرتا ہے، جب ایسا محسوس ہو تو تعوذ، اور لاحول ولاقوۃ پڑھ کر اس کے اثرات سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کریں۔ حسد اور غصے کے تحت فوری ردّعمل ظاہر کرنے کی بجائے رک جائیں اور کچھ وقت گزرنے کے بعد ٹھنڈے دل سے جائزہ لیں، ان شاء اللہ نیت ٹھیک ہوگی تو معاملہ خود بخود سلجھ جائے گا۔

استثنائی حالتیں:

زندگی ہمیشہ ایک جیسی نہیں رہتی، اتار چڑھاؤ اس کا لازمی حصہ ہے، فرض کیجیے خاوند بیمار ہوگیا تو کیا وہ اس صورت میں صرف ایک بیوی کے گھر ٹھہرا رہے گا اور دوسری اس کے ہاں اس لیے تیمار داری کرنے نہیں جائے گی کہ وہ اس کی سوکن کا گھر ہے؟ جب کہ رسول اللہ ﷺ کے خانہ مبارک میں تو یہ مثال ملتی ہے کہ جب آپ ﷺ کی بیماری شدید ہوگئی تو آپ ﷺ کا ایماء پا کر امہات المومنین نے ایثار کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی چاہت، تسکین اور آسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہنے کی اجازت دے دی اور سب بیویاں تیمار داری کے لیے عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جمع ہو جاتی تھیں۔ [دیکھئے صحیح بخاری، کتاب

المغازی، باب مرض النبی ووفاتہ، ح:۴۴۵۰]

زندگی میں اور بھی بہت سے ایسے امور سامنے آتے ہیں جن کے بارے میں انسان کچھ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ وہ انہیں کیسے سلجھائے۔ ایسے میں اگر بیویوں میں باہم موانست اور محبت ہو تو مرد ان کے ساتھ بیٹھ کر، پیش آمدہ مسئلے کو سلجھانے کے لیے ان سے مشورہ اور مدد لے سکتا ہے لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب بیویوں میں باہم بھائی چارے اور اخلاص کی فضا قائم ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی خصوصی تنبیہ:

باہم ایک دوسری کا دل جلانے اور اس کو جتانے کے لیے کہ خاوند تمہاری نسبت میرا زیادہ خیال رکھتا ہے، سوکنیں بہت سے جھوٹ بول جاتی ہیں، یہ اتنی عام بات ہے کہ اسے گناہ بھی نہیں سمجھا جاتا۔ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اگر میں اپنی سوکن کا دل جلانے کے لیے اپنے خاوند کے بارے میں یہ کہوں کہ اس نے مجھے فلاں چیز دی ہے حالاں کہ اس نے مجھے نہیں دی تو کیا مجھ پر گناہ ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اَلْمُتَشَبِّعُ بِما لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ ۔"

''جو شخص اپنے آپ کو وہ چیز ملنا بیان کرے جو اس کو نہیں ملی سو اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی نے مکر کے دو جوڑے پہن رکھے ہیں۔'' [صحیح بخاری، کتاب النکاح، ح:۵۲۱۹، مسلم:۲۱۳۰]

اس سے یہ پتا چلا کہ باہم فخر جتلانے اور اپنے آپ کو اور اپنی برادری کو برتر باور کرانے کی عورتوں میں عادت ہوتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ شیخی خورے، اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔''

شوہر کے حوالے سے ایک مشترکہ فریضہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا ۔" [بخاری، کتاب المظالم، باب اعن اخاك ظالماً او مظلوما]

''اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو چاہے مظلوم۔''

بیویاں اگر محسوس کرتی ہیں کہ ان کا خاوند کسی بیوی کے حقوق دبا کر اس پر ظلم کر رہا ہے تو اسے اس ظلم سے باز رہنے کی تلقین کریں۔ اسے انصاف کرنے پر ابھاریں، بیویاں نہ خود باہم حق تلفی کریں نہ شوہر کو کسی کی حق تلفی کرنے دیں۔ ظلم ایک ایسا سنگین گناہ ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" اَلظُّلم ظلمةٌ يَومَ الْقِيٰمة ۔" [بخاری، کتاب الصوم]

''روزِ قیامت ظلم تاریکی کی شکل میں ہوگا۔''

روزِ قیامت صرف ایمان اور عمل ہی کا نور ہوگا، اگر کسی نے ظلم کیا ہوگا تو وہ اندھیروں کی گہرائیوں میں اتار دیا جائے گا۔ لہٰذا سوکنوں کو چاہیے کہ قیامت کے اس ہولناک دن میں اپنے آپ کو اندھیرے سے محفوظ رکھنے کے لیے کسی پر رتی برابر بھی ظلم نہ کریں۔ کم پر قناعت کر لیں، تھوڑے پر راضی ہو جائیں، لیکن ظلم نہ ہونے دیں۔ بہترین رویہ تو یہ ہے کہ اپنی ضروریات، اپنی پسند، اپنے اوقات پر اپنی بہن (سوکن) کی ضروریات اور پسند کو ترجیح دیں۔

﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۫ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ [الحشر:۹]

''اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرصِ نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ کامیابی پانے والے ہیں۔''

﴿ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ ﴾ [المائدۃ:۸]

''انصاف کیا کرو یہی تقویٰ کے قریب ہے۔''

اور تقویٰ نام ہے اللہ سے ڈرنے اور اس کے منع کردہ امور سے بچنے کا۔

بیویوں کے تعلقات میں خاوند کا کردار:

ایک بار رسول اللہ ﷺ اپنی ایک زوجہ محترمہ کے ہاں مقیم تھے (ان کی باری تھی) اتنے میں دوسری زوجہ محترمہ نے ایک برتن میں کھانا

بھیجا، گھر والی بیوی نے غلام کے ہاتھ پر چوٹ لگائی، جس سے برتن نیچے گر کر ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ٹوٹے ہوئے برتن کے ٹکڑے جمع کیے اور پھر گرا ہوا کھانا اکٹھا کرنے لگے اور خادم سے کہا: تمہاری ماں کو غیرت آ گئی تھی، پھر آپ نے اس بیوی کے گھر سے جس نے برتن توڑا تھا نیا برتن خادم کو دیا اور ٹوٹا ہوا برتن اسی گھر میں رہنے دیا۔

[بخاری، کتاب النکاح، باب الغیرۃ]

اس واقعے سے پتا چلتا ہے کہ

⦿......مرد کو غصہ کرنے کی بجائے ٹھنڈے مزاج سے کام لینا چاہیے۔

⦿......اگر ایک بیوی دوسری کا نقصان کر دے تو اس کا نقصان پورا کرنا چاہیے۔

⦿......بیویوں کے گھر الگ، چار دیواری الگ اور ضرورت کی چیزیں بھی الگ الگ مہیا کرنا خاوند کا فرض ہے۔

⦿......بیوی چاہے کتنی محبوب ہو جب وہ کسی دوسری کا نقصان کرے گی تو اس کا بدلہ دلوایا جائے گا۔

ایک بار ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کو پتا چلا کہ انہیں ام المومنین حفصہ نے یہودی کی بیٹی کہا ہے، صفیہ رضی اللہ عنہا رونے لگیں، اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ رونے کی وجہ پوچھی، صفیہ رضی اللہ عنہا نے بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم تو نبی (موسیٰ علیہ السلام) کی بیٹی ہو، تمہارے چچا (ہارون علیہ السلام) نبی ہیں اور تم نبی ﷺ کی بیوی ہو اس قدر فضیلت کے باوجود وہ تم پر کس طرح فخر جتلاتی ہے؟ پھر آپ ﷺ نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: حفصہ اللہ سے ڈرو آئندہ ایسی بات مت کہنا۔ [صحیح سنن ترمذی، للالبانی، جزء ثالث، نکاح کے مسائل از محمد اقبال کیلانی]

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے سامنے آپ کی بیوی صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہا (اگرچہ شکل میں اچھی ہے مگر) اس میں اتنا ہی عیب کافی ہے کہ اس کا قد چھوٹا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

" لقد قلت کلمة لو مزجت بماء البحر لمزجته ـ"

''تم نے ایسا کلمہ کہہ دیا ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو یہ اس پر غالب آ جائے۔'' [سنن ترمذی، ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ: ۴۸۷۵]

اس سے پتا چلا کہ جب ایک بیوی دوسری کی عیب چینی کرے تو خاوند کو بیوی کے اس رویے کی اصلاح کرنا چاہیے اور اسے سرزنش، حکمت، پیار جیسے بھی ہو سمجھانا چاہیے۔

مرد کو چاہیے کہ ایک بیوی کے سامنے دوسری بیوی کی خوب صورتی یا سلیقہ مندی یا اس کی کسی دوسری اچھائی کا ذکر نہ کرے۔ کیوں کہ عورت کی فطرت ہے کہ وہ اپنے شوہر کی زبان سے کسی دوسری عورت کی تعریف سننا پسند نہیں کرتی۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا جو رسول اللہ ﷺ کی محبوب بیوی تھیں، فرماتی ہیں:

" ما غرت علٰى مرأة لرسول ﷺ کما غرتُ علٰى خديجةَ لكثرةِ ذكرِ رسول اللّٰه اِيّاها وثنائهٖ عليها وقدُ اُوحِيَ الٰى رسول اللّٰه ان يبشِّرها بِبيتٍ لها فى الجنّةِ من قصب ـ" [صحيح بخارى، كتاب النكاح، باب غيرة النساء ووجدهن، باب نمبر: ١٣٨]

''مجھے رسول اللہ ﷺ کی کسی بیوی پر اتنا رشک نہیں آتا جتنا خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتا، آپ ﷺ ان کا بہتر تذکرہ کرتے اور ان کی بہت تعریف فرماتے، آپ ﷺ پر ان سے حق میں وحی آئی کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو جنت کے ایک ایسے گھر کی خوش خبری دیں جو خول دار موتی کا ہے۔''

سوکن ہونے کی صورت میں سہولتیں:

ہم ہمیشہ کسی چیز کا صرف ایک پہلو ہی دیکھنے کے عادی ہیں، اگر ہم اس کے دوسرے رخ کو بھی دیکھنے کی عادت بنالیں تو زندگی میں بہت سی ناکامیوں، مایوسیوں اور الجھنوں سے ہمیں چھٹکارا مل جائے۔ عقل مند وہ ہے جو کسی معاملے کے روشن پہلوؤں پر غور کریں۔

⦿......اکیلی بیوی ہونے کی صورت میں مرد کے حقوق کا جو بوجھ اکیلی پر تھا وہ ایک سوکن کی صورت میں آدھا، دو کی صورت میں دو تہائی اور تین کی صورت میں تین چوتھائی رہ گیا، کیا یہ سہولت نہیں۔

⦿......بعض عورتیں گھریلو مصروفیات کے علاوہ بھی کچھ کرنا چاہتی ہیں،

مثلاً پڑھنا لکھنا، سینا پرونا، یا بچوں پر زیادہ توجہ دینا، انہیں سوکن کی صورت میں خود بخود وقت زیادہ مل جائے گا۔

⊙...... باری مقرر ہونے کی وجہ سے ذہنی اور جسمانی مصروفیت کے لحاظ سے کافی رعایت مل جائے گی۔

⊙...... بعض حقوق ایسے ہیں کہ بیوی ایک ہو یا زیادہ، پورے پورے ہی ملتے ہیں، جیسے روٹی کپڑا، مکان، علاج معالجہ کی سہولت۔صرف توجہ اور وقت کا حق ہی تقسیم ہوتا ہے۔

⊙...... اگر کہیں مہمان جانا ہو تو دوسری بیوی بچوں اور شوہر اور گھر کو سنبھال لے گی۔

⊙...... اگر عورت بیمار ہو جائے تو گھر کے معمولات میں خلل نہیں آئے گا، دوسری بیوی سنبھال لے گی۔

⊙...... اگر اللہ نہ کرے، مرد بیمار ہو جائے تو دونوں پر تیمارداری کا بوجھ بٹ جائے گا۔

⊙...... اگر اللہ نہ کرے، ایک فوت ہو جائے تو اس کے بچے دوسری ماں سے مانوس ہوں گے اور اگر خوش گوار زندگی گزار رہے ہیں تو بچوں کو ماں کی کمی کم محسوس ہوگی۔

⊙...... گھر میں زیادہ افراد ہونے کی وجہ سے زیادہ چہل پہل اور رونق رہے گی۔

⊙...... باہم محبت کی صورت میں دونوں دکھ سکھ میں شامل ہو کر ایک دوسرے کے سکون کا باعث بنیں گی۔

فیصلہ کن بات:

ہر شخص اللہ کے بندے کی حیثیت سے اس دنیا میں آیا ہے اور اس کا اصل فریضہ بندگی اور عمل احسن ہے:

﴿لِنَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾

’’تاکہ ہم یہ جانچیں کہ کون تم میں سے اچھے عمل کرتا ہے۔‘‘

لہٰذا مرد ہو یا عورت اسے صرف یہ فکر کرنا چاہیے کہ آیا وہ بندگی کے تقاضے پورے کر رہا ہے یا نہیں؟ اور یہ مت دیکھے کہ دوسروں کا رویہ اس کے ساتھ کیسا ہے؟

شوہر کے حقوق ادا کرنا عورت کا اوّلین فریضہ ہے:

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" خيرُ النساءِ من تسرُّك اذَا بصرت وتطيعَك اذَا امرُت وتحفظُ غيبتكَ في نفسِها ومالِكَ ـ" [الطبراني، الصحيح الجامع الصغير وزيادته، للالباني، الجزء الثالث، ح: ٢٣٩٤، نکاح کے مسائل از محمد اقبال کیلانی]

’’بہترین بیوی وہ ہے جس کی طرف تو دیکھے تو وہ تجھے خوش کر دے اور جب تو کسی کام کا حکم دے تو بجا لائے اور تیری عدم موجودگی میں تیرے مال اور اپنی ذات کی حفاظت کرے۔‘‘

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" اذا صلّت المرأة خمسها وصامَتْ شهرها وحصنَتْ فرجها واطاعت زوجها قيل لها ادخلى الجنّة من ايّ ابوابِ الجنةِ شِئتِ ـ" [رواه ابن حبان، صحيح جامع الصغير وزيادته، للالباني، الجزء الثالث، ح: ٦٧٣، نکاح کے مسائل از محمد اقبال کیلانی]

’’جو عورت پانچ نمازیں ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی فرماں برداری کرے اسے قیامت کے روز کہا جائے گا جنت کے دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہو جا۔‘‘

ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" حقُّ الزوج على زوجَتهِ اَنُ لَو كَانَتْ بِه قُرحَةٌ فلحسَتْها ما اَدَّتْ حقَّهُ ـ" [رواه الحاكم وابن حبان وابن ابى شيبه والدارقطنى والبيهقى، صحيح الجامع الصغير وزيادته للالبانى، الجزء الثالث، ح: ٣١٤٣، کتاب النکاح از محمد اقبال کیلانی]

’’شوہر کا بیوی پر اس قدر حق ہے کہ اگر شوہر کو زخم آ جائے اور بیوی اس کو چاٹ لے تب بھی شوہر کا حق ادا نہیں کر سکتی۔‘‘

اسلامی معاشرت کے اہم انفرادی پہلو:

❀......انسان کا مقصد حیات اللہ کی عبادت واطاعت ہے۔لہٰذا ہر لمحے اس کی عبادت واطاعت کے تقاضے اطاعت رسول ﷺ کی حدود میں رہ کر کرنا۔

❀......خاتم النبیین ﷺ کی اطاعت اور محبت کو ہر شعبہ زندگی میں ملحوظ رکھنا۔

❀......اولاد کو اللہ کی خاص نعمت سمجھ کر......اسلامی اقدار وآداب کے تحت اس کی پرورش کرنا۔

❀......بلوغ کی عمر کو پہنچتے ہی فوراً نکاح کا اہتمام کرنا۔

❀......انتخاب زوج کی تلاش میں تقویٰ کو ترجیح دینا۔

❀......طویل منگنی کی بجائے نکاح اور رخصتی کرنا۔

❀......اشیائے ضرورت میں نبوی معیار کو نمونہ بنانا......زائد ملے تو اللہ تعالیٰ کی حدود میں رہ کر خرچ کرنا۔

❀......اللہ تعالیٰ کے حکم استیذان پر عمل کرنا۔

❀......ستر وحجاب......اور غض بصر کی پابندی کرنا۔

❀......حقوق لینے کی بجائے دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں کوشاں رہنا۔

❀......مرد کا منصب قوام کے تقاضے......کفالت بہ کسب حلال......حفاظت اور اوامر ونواہی......اور امارت وخلافت کا علم حاصل کرنا......اور ممکنہ حد تک اسے بروئے کار لانا۔

❀......خواتین کا احترام اور وقار برقرار رکھنا۔

❀......عورت کا گھر میں ٹک کر اطاعت قوام (شریعت کی حدود میں رہ کر) کرنا اور نگرانی اطفال کی ذمہ داریاں نبھانا۔

❀...... دنیا کی دیگر اقوام کی مسرفانہ زندگی اور تعیش کے بجائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طرزِ حیات کی پیروی کرنا۔

❀......رفاہ دنیا کے بجائے فلاح آخرت میں ڈوبے رہنا۔

❀❀............❀............❀❀

معیشت ومعاشرت

حصولِ رزق کے حلال ذرائع اختیار کرنے کی ترغیب

محترمہ سعدیہ گلزار

حرام اشیاء سے مرادوہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں۔اسی طرح حلال سے مراد جائز ہے یعنی اشیاء کا شرعی اعتبار سے جائز ہونا۔

حرام اشیاء کے بارے میں محمد الخضری ؒ لکھتے ہیں:

" الحرام ما اشعر بالعقوبه علی فعله۔ " [اصول الفقه، دارالتراث العربی، بیروت (لبنان)، ۱۳۸۹ھ/ ۱۹۶۹ء، ط: السادسة، ص: ۵۵]

''حرام وہ ہے جس کے کرنے پر سزا دی جائے۔''

عبدالوہاب خلاف کے نزدیک

المحرم هو ما طلب الشارع الکف عن فعله طلباً حتماً۔ [علم اصول الفقه، ص: ۱۳۱، المیزان فی اصول الفقة، ص:۹، ط:الاولیٰ]

''حرام وہ ہے جس کے کرنے سے شارع نے بالکلیہ (بغیر گنجائش) روکا ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے کچھ انسان کے فائدے کے لیے مختلف نعمتیں پیدا فرمائیں نیز انسان کو جسم اور روح کے تعلق کو قائم رکھنے کے لیے کسب مال کا حکم دیا اور اس کا ذریعہ تجارت بنایا ہے۔اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء میں بعض نقصان دہ بھی ہیں۔ربّ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر مہربانی فرما کر ان کی نشان دہی بھی فرمائی ہے۔عصر حاضر میں مخرب اخلاق اشیاء کی حرمت سے آگاہی کے باوجود تاجر حضرات ایک طرف ان اشیاء کی خرید وفروخت میں مصروف ہیں دوسری طرف سودی نظام کو رواج دینے میں معاون ہو رہے ہیں جو ظلم پر مبنی معاشرے کو جنم دیتا ہے۔کسی کی مجبوری کو اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اور عمومی مفادات کو پس پشت ڈالنا بھی ناانصافی اور ظلم ہے۔

لاٹری، قمار اور سٹہ بازی کی تمام اقسام روزمرہ معاشی زندگی کا حصہ بن چکی ہیں۔جو معیشت اور معاشرے میں فساد و بگاڑ، وقت کے ضیاع اور کاہلی وسستی کا باعث بن رہی ہیں۔عوام الناس تمام ناجائز ذرائع آمدن کو جائز ذرائع آمدن کی حیثیت سے اپنائے ہوئے ہیں۔

ذخیرہ اندوزی، ناپ تول میں کمی، ملاوٹ، بدعہدی اور جھوٹی قسموں کو ہمارے معاشی نظام کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔اجارہ دارانہ مقابلہ، کارٹل، امتیاز قیمت اور اغراق ملکی اور عالمی سطح پر قیمتوں کو کنٹرول کر کے صارفین کے استحصال کے جدید حربے ہیں۔اشتہار بازی میں اشیاء کو بڑھا چڑھا کر دکھایا جاتا ہے۔اور ان اشتہارات کے اخراجات کا بوجھ بھی صارفین پر ڈال دیا جاتا ہے نتیجتاً غریب طبقہ جو اس کو حاصل نہیں کر سکتا اس کے اندر احساس کمتری پیدا ہوتی ہے۔

یہ تمام معاشی بداخلاقیاں ارتکاز دولت کو تقویت دیتی اور معاشرے کو دو طبقات میں تقسیم کرتی ہیں۔دولت مند طبقہ عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتا ہے جب کہ غریب طبقہ دو وقت کی روٹی پر بھی قادر نہیں۔اس سے معیشت میں نہ ختم ہونے والی کشمکش جنم لیتی ہے۔معاشی بداخلاقیوں میں گھرا ہوا نظام تجارت رحمت الٰہی سے محروم ہوتا ہے۔

اگر دولت کا استعمال بھی غلط ہو یعنی فلم انڈسٹری، سینما گھر، شراب اور جوے کے اڈے آباد کرنے میں صرف ہو تو معیشت اور معاشرے میں منکرات وفواحش پروان چڑھتی ہیں، لوگ ہمدردی کے جذبات سے

عاری ہو جاتے ہیں اور ہر طرف نفسانفسی کا عالم ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حرام کی بجائے حلال ذرائع سے رزق کے حصول کا حکم دیا ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ (۶۰۴ھ) آیت مبارکہ میں منقول ﴿حلالا طیبا﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''طیب سے مراد پاکیزہ چیزیں ہیں۔ یہ لفظ یہاں حرام کے متضاد کے طور پر بیان ہوا ہے۔ طیب میں ہر حلال شے کو مستحب طریق سے پانے اور مستفید ہونے کا مفہوم ہے۔ جس شے کو دل ناپسند کرے وہ حرام ہے، اور شرع نے اس کی ممانعت فرمائی ہے۔

طیب سے مراد دو باتیں ہیں:

اوّل: نفس کا اطمینان وراحت کا حصول، نیز حلال شے کو پاک طریقہ سے حاصل کرنا ہے۔

ثانی: اس سے مراد مباح ہے۔ یہ حلال کے مترادف ہوگا یعنی کسی بھی حلال شے کو ظلماً حاصل کرنا حرام ہے اور جائز طریقے سے لینا مباح ہے۔ [التفسیر الکبیر او مفاتیح الغیب]

کسی چیز کو حلال اور حرام ٹھہرانے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس بارے میں مولانا محمد شفیع لکھتے ہیں:

''شریعت اسلامیہ نے حلال وحرام اور جائز وناجائز کا جو قانون بنایا ہے وہ صراحتاً وحی الٰہی سے ہے۔ یا اس سے مستفاد، اور وہی ایک ایسا معقول، فطری اور جامع قانون ہے جو ہر قوم وملت اور ہر ملک ووطن میں چل سکتا ہے اور امن عامہ کا ضامن ہے۔''

[محمد شفیع، معارف القرآن، ادارۃ المعارف]

شریعت اسلامی نے صرف ان اشیاء کو حرام کیا جو انسانیت کے لیے نقصان دہ ہیں اگر ان میں کچھ نفع ہو بھی تو ان کا نقصان زیادہ ہونے کی وجہ سے انہیں حرام قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حرام اشیاء کے نعم البدل میں بنی نوع انسان کو پاک اشیاء سے نوازا ہے۔ جس سے نہ صرف محرمات کی کمی پوری ہوتی ہے۔ بلکہ بندہ ان سے بے نیاز ہوسکتا ہے۔

اسلام میں حلال وحرام واضح ہے مگر کچھ امور مشتبہ ہیں۔ تقویٰ کا تقاضا یہی ہے کہ مومن شک وشبہ والے امور چھوڑ دے اسی میں مومنین کی فلاح وکامیابی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان الحلال بین وإن الحرام بيّن وبينهما مشتبهات لا يعلمهن كثير من الناس، فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام، كالرّاعي يرعى حول الحمٰى يوشك أن يرتع فيه، ألا! وان لكل ملك حمى، ألا! وإن حمى الله محارمه ۔ [مسلم، الجامع الصحيح، كتاب المساقات، باب اخذ الحلال وترك الشبهات: ٤٠٩٤]

''بے شک حلال اور حرام واضح ہیں اور ان میں کچھ امور مشتبہ ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے۔ جس نے شبہات سے اپنے آپ کو بچالیا اُس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔ جو شبہات میں پڑ گیا گویا وہ حرام میں گر پڑا۔ (یہ مسئلہ ایک مثال سے سمجھئے! وہ شخص) اُس چرواہے کی مانند ہے جو چراگاہ کے اردگرد بکریاں چراتا ہے، ممکن ہے کہ بکریاں چراگاہ میں داخل ہوکر چرنے لگیں۔ خبردار ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراہ گاہ حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔''

امام غزالی رحمہ اللہ (م ۵۰۵ھ) کے نزدیک مومن صرف حرام اشیاء سے اجتناب نہ کرے بلکہ جو چیز بھی شک میں ڈالے اسے چھوڑ دے، اس میں لوگوں سے فتویٰ لینے کی بجائے دل سے فتویٰ لے۔

ان لا يقتصر على اجتناب الحرام، بل يتقي مواقع الشبهات ومظان الريب ولا ينظر إلى الفتاوى بل ليتفتي قلبه ۔ [احياء علوم الدين: ١/ ٥١٦]

قرآنِ مجید میں حلال رزق کمانے کی ترغیب دی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَأَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ﴾ [البقرة: ۲۷۵]

''اور اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا۔''

﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾ [الجمعة: ۱۰]

''پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔''

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ [النساء: ۲۹]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ ماسوائے تجارت کے جو کہ تمہاری باہمی رضامندی سے ہو۔''

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے باطل طریقوں اور شریعت میں ممنوع صورتوں سے مال کھانے کی ممانعت فرمائی ہے، مثلاً سودخوری، قمار بازی اور ایسے ہی ہر طرح کے ناجائز ذرائع جن سے شریعت نے منع فرمایا۔

[تفسیر القرآن العظیم: ۱/ ۶۳۷، التفسیر الوسیط: ۲/ ۳۱۰]

حرام مال سے صرف کھانا مراد نہیں بلکہ مال کا ناجائز استعمال اور اپنے تصرف میں لے آنا بھی ہے، باطل سے ہر ناجائز طریقہ جو عدل وانصاف، قانون اور سچائی کے خلاف ہو مراد ہے۔ اس کے تحت جھوٹ، خیانت، غصب، رشوت، سود، سٹہ بازی، جوا، چوری اور معاملات کی وہ ساری صورتیں آتی ہیں جن کو اسلام نے ناجائز قرار دیا ہے۔

رضامندی کا مفہوم:

(عن تراض منكم) اى كلوا الأموال من طريق التجارة القائمة على الرضا المتبادل بيعاً أو إجارة۔ وليس كل تراض معترفاً به شرعاً، وإنما التراضي ضمن حدود الشرع، فلا يحل المال الربوي في بيع أو قرض جر نفعاً، ولا المال المأخوذ بالقمار والرهان من لاجانبين، حتى وإن تراضى عليه الطرفان، لأن رضاهما مصادم لأمر الشرع الإلهي ۔ [التفسير الوسيط: ۱/ ۳۱۰، ۳۱۱، الأم، الكليات الأزهرية: ۳/۳]

یعنی ''تمام تجارت میں باہمی رضامندی سے خرید وفروخت کرو یا کرایہ داری کے ساتھ مال حاصل کرو۔ باہمی رضامندی شرعی حدود کے اندر ہو تو معتبر ہے وگرنہ معتبر نہیں۔ تجارت میں سود کی تمام صورتیں حلال نہیں نیز سٹہ بازی اور گروی سے حاصل ہونے والا مال بھی۔ اگرچہ اس صورت میں باہمی رضامندی بھی ہو کیوں کہ یہ رضامندی شریعت الٰہی کے متضاد ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال کمائی کے لیے جدوجہد کو افضل عمل قرار دیا ہے۔

" أفضل الاعمال الكسب من الحلال ۔

[كنز العمال: ۴/۴]

''اعمال میں افضل حلال ذرائع سے کمانا ہے۔''

أفضل الكسب بيع مبرور، وعمل الرجل بيده۔

[ایضاً]

''افضل ترین کمائی وہ تجارت ہے جو خیانت اور جھوٹ سے پاک ہو اور انسان کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا بھی افضل ہے۔''

عبدالرحمٰن الجزیری رحمہ اللہ (م ۱۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

بیع المبرور جو خوش اسلوبی سے معاملہ کیا جائے، یعنی سودے میں کھوٹ، خیانت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو۔

[كتاب الفقه على المذاهب الاربعة: ۲/ ۱۵۴]

ان أطيب ما أكل الرجل من كسبه۔ وإن ولده من كسبه ۔ [نسائی، السنن، كتاب البيوع، باب الحث

علی الکسب]

''بے شک سب سے پاکیزہ کھانا وہ ہے جو انسان کما کر کھاتا ہے اور اس کی اولاد بھی اس کی کمائی سے ہے۔''

طلب حلال کو شریعت نے فرض قرار دیا ہے۔

طلب الحلال فريضة بعد الفريضة ۔ [كنز العمال: ٥/٤]

''رزق حلال کا حصول فرائض کے بعد سب سے اہم فریضہ ہے۔''

حلال رزق کمانا مسلمانوں پر واجب ہے۔

طلب الحلال واجب على كل مسلم ۔ [ايضاً]

''حلال رزق طلب کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔''

طلب الحلال کو جہاد یعنی اللہ کی راہ میں کوشش کرنے کا نام دیا گیا ہے۔

طلب الحلال جهاد ۔ [ايضاً]

''حلال رزق طلب کرنا جہاد ہے۔''

اسی طرح سچے تاجر کو قیامت والے دن شہداء کی معیت حاصل ہوگی۔

التاجر الأمين الصدوق المسلم مع الشهداء يوم القيامة ۔ [كنز العمال: ٧/٤]

''سچا اور امانت دار تاجر قیامت والے دن شہداء کے ساتھ ہوگا۔''

اسلام میں کوئی ذریعہ معاش کمتر نہیں ہے مگر شرط یہ ہے کہ وسائل جائز ذرائع سے حاصل کیے جائیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام ہاتھ سے روزی کماتے، حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔

كان زكريا نجارا ۔ [ابن ماجه، السنن، ابواب التجارات، باب الصناعات: ٢١٥٠]

''حضرت زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے۔''

ہاتھ سے روزی کمانا افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام ہاتھ سے روزی کماتے تھے۔

ما اكل أحد طعاماً قطّ خيراً من أن يأكل من عمل يده، وإن نبي اللّٰه داؤد عليه السلام كان يأكل من عمل يده ۔ [بخاری، الجامع الصحيح، كتاب البيوع، باب كسب الرجل وعمله بيده: ٢٠٧٢]

''اپنے ہاتھوں کی محنت سے زیادہ بہتر کسی نے کوئی کھانا نہیں کھایا، اور اللہ کے پیغمبر داؤد علیہ السلام اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔''

ہر پیغمبر نے بکریاں چرائی ہیں حتیٰ کہ نبی ﷺ نے بھی مکہ والوں کی بکریاں چرائی تھیں:

ما بعث اللّٰه نبيا الا راعى غنم، قال له أصحابه، وأنت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: وأنا كنت أرعاها لأهل مكة بالقراريط ۔ [ابن ماجه، السنن ابواب التجارات، باب الصناعات: ٢١٤٩]

''اللہ نے کوئی نبی ایسا نہیں بھیجا جس نے بکریاں نہ چرائی ہوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے؟ فرمایا: میں نے اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط کے عوض چرائیں۔''

موجودہ دور میں لوگ دولت کمانے کی ہوس میں حلال وحرام کی تمیز کے بغیر ہر وہ کاروبار کرنا پسند کرتے ہیں جس میں منافع ہو۔ حالاں کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے بکریاں چرائیں یعنی اُس پیشہ کو ترجیح دی جس سے جائز رزق حاصل ہو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم محنت سے حلال روزی کماتے۔

اس کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

قالت عائشة: كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم عمال انفسهم، فكان يكون لهم أرواح فقيل لهم، لو اغتسلتم ۔ [بخاری، الجامع الصحيح،

کتاب البیوع، باب کسب الرجل وعملہ بیدہ: ۲۰۷۱]

’’وہ لوگ حلال رزق میں مزدوری کرتے ان کے جسم مبارک سے بوآتی اوران کوکہا جاتا کاش تم نہالیتے۔‘‘

حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کا پیشہ بھی تجارت تھا۔ان کے بارے میں منقول ہے:

أن عـائشة قـالـت: لـما استخلف أبوبكر الصديق قـال: لقد علم قومی أنّ حرفتي لم تكن تعجز عن مؤونه أهلي وشغلت بأمر المسلمين، فسيأكل آل ابی بكرٍ من هذا المال وأحترف للمسلمين فيه۔

[ایضاً]

’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب کیے گئےتو فرمایا میرا تجارتی مشغلہ میرے اہل وعیال کی کفالت کے لیے کافی تھا۔اب میں مسلمانوں کی خدمت پر مامور ہوں اوراب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اولاد بیت المال سے کھائے گی اوروہ مسلمانوں کے امور میں مصروف ہوں گے۔‘‘

نظامِ تجارت میں اسلام حلال وحرام سے متعلق واضح اصول متعارف کرواتا ہے۔استحصال پرمبنی تمام ذرائع کا سد باب کرتا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے حرام اشیاء کی تجارت (خرید وفروخت) بھی ممنوع ہے۔

امام غزالی رحمہ اللہ کے نزدیک حرام اشیاء کی تجارت کوترک کرنا،ان کی صنعت کاری سے اجتناب گویاظلم چھوڑنا ہے۔[ایضاً]

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ (م۱۱۷۶ھ) مخرب اخلاق اشیاء کی حرمت کے متعلق فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعےبعض عقود کی کراہت اوربعض کا جواز آپ کوسمجھا دیا۔جن عقود کو ناپسندیدہ بتایا گیا ہے۔ان کے ناپسندیدہ ہونے کی بنامتعدد وجوہ پر ہےمن جملہ ان کے یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز جس کا استعمال شرع میں ممنوع ہو۔مثلاً شراب اور گانے بجانے کے ساز وغیرہ کیوں کہ اگرایسی اشیاءفروخت کرنے کونہ روکا جائے تواس کانتیجہ یہ ہوگا کہ غیرشرعی اعمال کوفروغ حاصل ہوگا۔دوسرےلوگوں کوترغیب ہوگی اور جولوگ ان معاصی کے مرتکب ہیں۔جن کاتعلق ان اشیاء سے ہے، ان کے لیے یہ سہولتیں بہم پہنچانے کا باعث ہوگا۔برخلاف اس کےان اشیاءکی خرید وفروخت کوروک دینے میں ان مفاسد کےقلع قمع کردینے کا راز مضمر ہے۔[احیاءعلوم الدین:۱/۵۱۳]



ضرورت خطیب وامام

تعلیم وفاق المدارس العربیہ حفظ وتجوید میٹرک

لاہور میں بالخصوص باقی کسی شہر میں بالعموم خطابت کے لیے جامع مسجد میں جگہ کی ضرورت ہے۔ضرورت مند حضرات اس نمبر پر رابطہ کریں۔ [قاری خلیل الرحمٰن:0301-4698546]

ضروری اعلان

ادارہ نصر الائمہ، گوجراں والا جماعت اہل حدیث مرحومین بزرگوں کے حالات وواقعات پرمبنی ایک کتاب مرتب کررہا ہے، ان بزرگوں کے نام درج ذیل ہیں:

حضرت میاں محمد باقر صاحب، شیخ الحدیث حافظ محمد عبداللہ بڈھیمالوی، شیخ الحدیث حافظ احمد اللہ بڈھیمالوی، شیخ الحدیث حافظ محمد بن عبداللہ بڈھیمالوی، شیخ الحدیث حافظ بنیامین طور، شیخ الحدیث مولانا محمد حسین طور، مولانا عبدالقیوم طور، میاں عتیق اللہ بن میاں محمد باقر، شیخ الحدیث حافظ محمد زکریا علیہم الرحمہ۔

ان کے علاوہ جھوک دادوطور کے اہل علم، جامعہ خادم القرآن والحدیث کے اساتذہ اور جامعہ کی تاریخ اورعلمی حیثیت کے بارے جن احبابِ علم کے پاس کوئی مضمون، تحریر، واقعہ یا خطوط ہوں تو وہ ہمیں مطلع فرمادیں۔

ابوالاحتشام حمزہ طور، ناظم ادارہ نصر الائمہ، اولیس آٹو مارکیٹ
بیرون کھیالی بائی پاس، شیخوپورہ روڈ، گوجراں والا۔
فون:0300-6475379 / 0333-8112611

مجاہد کی دستار

کفر سے کھیل محبت کا بیزار لگے ہے
ہے آتش کی مانند تجھے گلزار لگے ہے
خائف تو بہت سے منہ زور طوفانوں سے
بلبلا اک چھوٹا سا تجھے منجدھار لگے ہے
کافر کی غلامی کا سبب کوئی تو ہو گا
ڈالر کی چمک ، یا رستہ دیں بیکار لگے ہے
حکومت کے ایوانوں میں ایماں کا قحط ہے
مسلم کے لیے قہر اور کافر کی غمخوار لگے ہے
یہاں تلوار چلی اُلٹی اور ہر تیر چلا اُلٹا
کہ مسلم ہی مسلم سے برسرِ پیکار لگے ہے
مجاہدیں کے سوا ، اسلام کی ساری آبادی
تاحد نگاہ مجھ کو ، زبوں خوار لگے ہے
تماشہ غرب دیکھو! کہ یورپ کا مداری
آج ابلیس سے بڑھ کر ہی فسوں کار لگے ہے
مجروح کیے اس نے سب رشتوں کے تقدس
یہ بے غیرت و بے شرم و بدکار لگے ہے
ہے چاٹ گئی قوموں کے خوں یہودی سیاست
جمہوری قبا پہن کے بڑی خونخوار لگے ہے
تیری غیرتِ ایمانی کا نکلا ہے جنازہ
ہر گام پہ کافر کا تو کہے کار لگے ہے
جب جان تیری دَین ہے مولائے کرم کی
تو اُس کے لیے مر جانا کہاں دشوار لگے ہے
مستور سہی مجھ سے وہ پرتوِ حقیقت
مجھے شہ رگ سے بھی اقرب کئی بار لگے ہے
شاہوں کے درباروں سے تختوں سے تاجوں سے
عظمتوں والی مجھے مجاہد کی دستار لگے ہے

[ابو عمر محمد شفیق سلفی]